



حُسنِ خاتمہ

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و رector جامعہ الاسلامیہ مسیحیہ علوم رینگور

مکتبہ مسیحیہ الامت دیوبند و رینگور



حُسْنِ خَاتِمہ

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی ڈاٹ برکاتہم

بانی و رھتم الجامعۃ الاسلامیہ مسیحی علوم رینگ پور

وغلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارن پور

مکتبہ مسیح الامت کوئٹہ و رینگ پور

حُقوقُ الطَّبِيعِ مَحْفُوظَةٌ لِلْمُؤَلِّفِ



نام کتاب : حُسنِ خاتِمہ

مؤلف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیحیہ العلوم ریدنگاز
وخلیفہ حضرت آقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : ۱۷۱

تاریخ طباعت : رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

ناشر : مکتبہ مسیحیہ الامت، کوئٹہ، پاکستان

موبائل نمبر : 9036701512 / 09634830797

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

الفہرست

صفحہ	عناوین
۱۱	النَّفَرِطُ
۱۳	پیش گفتار
۱۸	تَمَیِّذُ
۱۸	ایمان کی اہمیت اور اس کے تحفظ کی ضرورت
۱۸	ایمان سب سے بڑی نعمت
۱۹	ایمان کے بقاء و تحفظ کی فکر
۲۰	ایمان کے لیے دو بڑے خطرے
۲۳	مؤمن اور اس کے ایمان کی ایک مثال
۲۴	ایک عبرت خیز اور دلوں کو دہلا دینے والا قصہ
۲۶	ایک اور اللہ والے کا حال
۲۶	العبرة بالخواتیم
۲۸	العبرة بالخواتیم پر چند احادیثِ نبویہ
۳۱	کیا زندگی بھر کے اعمال بے کار ہیں؟

۳۷	فصل اول شریعت میں حسنِ خاتمے کی تعلیم
۳۷	حسنِ خاتمہ اور قرآنِ کریم
۴۰	خاتمہ بالخیر اور احادیث
۴۲	حسنِ عاقبت کی فکر اسوۂ انبیاء و اولیاء
۴۳	حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت یعقوب ؑ کا اسوہ
۴۳	حضرت یوسف ؑ کا اسوہ
۴۴	حضرت آدم ؑ کا حال
۴۵	حضراتِ انبیاء اور خوفِ خاتمہ
۴۵	حضراتِ ملائکہ اور فکرِ انجام
۴۵	امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا اسوہ
۴۸	حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لانے والوں کا حال
۴۹	حضرت عمرؓ کا حال
۴۹	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال
۴۹	حضرت ابوالدرداءؓ کا خوف
۵۰	حضرت سلمان فارسیؓ کا خوف اور بکا
۵۰	حضرت امیر معاویہؓ کا گریہ و بکا
۵۰	حضرت حسن بن علیؓ کا حال
۵۱	ایک صحابی ابو عبداللہؓ کا تذکرہ
۵۱	حضرت سفیان ثوریؓ کا حال

۵۲	عمر بن قیس الملائیؒ کا حال
۵۲	حضرت ابو یزید بسطامیؒ کی کیفیت
۵۳	فکر انجام اور اقوال اکابر
۵۵	فصل دوم موت کی نازک گھڑی میں انسان اور شیطان کی آپسی کشمکش
۵۶	موت کے وقت انسان کا حال زار
۵۷	موت کے وقت شیطان لعین کے انسان پر حملے
۶۰	مؤمن کے لیے ایک عظیم بشارت
۶۱	مولانا نعیم دیوبندیؒ کا شیطان سے موت کے وقت مقابلہ
۶۳	خاتمے کا حال مخفی رکھنے میں حکمت
۶۶	فصل سوم ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کے اسباب و وسائل
۶۷	۱- قرآن کریم سے تعلق
۶۸	۲- اعمال و عبادات کی مخلصانہ پابندی
۶۹	۳- ذکر اللہ کا اہتمام
۷۰	۴- التزام تقویٰ
۷۱	۵- اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت
۷۴	امام رازیؒ کی وفات کا حیرت انگیز واقعہ
۷۵	۶- حسن انجام کے لیے دعا کا اہتمام
۷۷	حسن خاتمے کی دعا پر شیطان کا حال
۷۸	۶- اہل اللہ سے حسن خاتمے کی دعا کرانے کا اہتمام

۷۹	۷- دین کی خدمت و نصرت
۸۰	۸- نعمتِ ایمان پر شکر
۸۱	۹- ترکِ معاصی کا اہتمام
۸۲	فصل چہارم چند اعمالِ صالحہ جن پر حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے
۸۲	اللہ و رسول کی محبت
۸۲	اہل اللہ کی محبت
۸۴	اذان کی دعا
۸۵	درود کا اہتمام
۸۶	صبح اور مغرب کے بعد جہنم سے خلاصی کی دعا
۸۷	با وضو دعا پڑھ کر سونے پر بشارت
۸۸	مدینہ طیبہ میں قیام اور وہاں موت کا پانا
۸۹	مدینہ کا قیام اور وہاں تکالیف پر صبر
۸۹	یتیم کی کفالت
۹۱	سید الاستغفار سے حسنِ خاتمہ
۹۲	صلہ رحمی کی وجہ سے بری موت سے حفاظت
۹۲	صدقہ بری موت سے حفاظت کا ذریعہ
۹۳	فصل پنجم سوئے خاتمے کے اسباب
۹۳	قرآن کریم کا بیان

۹۵	علامہ عبدالحق اشنبیلی رحمہ اللہ کا بیان
۹۶	علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا بیان
۹۶	علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی ایک نادر تحقیق
۹۸	گناہ کس طرح سوئے خاتمہ کا سبب بنتے ہیں؟
۹۹	ایک منافق کا عبرت ناک انجام
۱۰۲	گناہ سے برے انجام کا ایک عبرت خیز واقعہ
۱۰۳	ایک اور درد انگیز واقعہ
۱۰۴	عشق فانی کا عبرت ناک انجام
۱۰۴	عشق حرام کا خطرناک انجام
	فصل ششم
۱۰۶	موت کی تیاری اور موت کے وقت مومن کے پسندیدہ احوال
۱۰۷	اچانک موت کے بارے میں ایک تحقیق
۱۱۲	(۱) توبہ واستغفار اور ذکر کا اہتمام
۱۱۳	حضرت ورقا بن عمر رحمہ اللہ کا واقعہ
۱۱۳	(۲) حقوق العباد میں کوتاہیوں کا تدارک
۱۱۴	حقوق العباد کی تلافی کرنے کا حکم
۱۱۴	حقوق العباد میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ
۱۱۶	حضرت عبادہ کا اہل حقوق سے معافی تلافی
۱۱۶	حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اہل حقوق سے معافی مانگی
۱۱۷	حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ کا طرز عمل

۱۱۸	وصیت نامہ لکھ کر رکھنا
۱۱۹	(۴) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق
۱۲۱	حضرت ابو ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا اللہ سے ملاقات کا شوق
۱۲۱	حضرت امیر معاویہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شوق ملاقات
۱۲۲	حضرت عبداللہ بن الزبیر <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شوق ملاقات
۱۱۲	حضرت ابوالحسنین نوری بغدادی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تذکرہ
۱۲۳	(۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے رجا اور امید
۱۲۳	حضرت یزید بن الاسود <small>رضی اللہ عنہ</small> کی امید رحمت
۱۲۵	موت کے وقت سفیان ثوری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی کیفیت
۱۲۵	(۵) خوف خداوندی کا غلبہ
۱۲۶	موت کے وقت حضرت معاذ بن جبل <small>رضی اللہ عنہ</small> کا خوف
۱۲۶	امام محمد بن المنکدر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا خوف
۱۲۷	(۶) صبر و ضبط اور اس پر امید ثواب
۱۲۹	موت کی شدت میں اہل اللہ کی کیفیت
۱۳۱	فصل ہفتم حسن خاتمہ کی علامات
۱۳۱	پہلی علامت - موت کے وقت کلمہ شہادت پڑھنا
۱۳۲	چند اہم فوائد
۱۳۸	حضرت ابن المبارک <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا واقعہ
۱۳۸	دوسری علامت - طاعت و نیکی پر موت ہونا

۱۴۱	طاعت پر وفات پانے والوں کے چند واقعات
۱۴۱	حضرت عامر بن عبداللہ بن الزبیر <small>ؓ</small>
۱۴۱	فقیہ ابوالفتح نصر بن ابراہیم المقدسی <small>ؓ</small>
۱۴۲	حضرت امام ابراہیم بن ہانی نیساپوری <small>ؓ</small>
۱۴۲	حضرت مرشدی مسیح الامت جلال آبادی <small>ؓ</small>
۱۴۳	حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندوی <small>ؓ</small>
۱۴۴	رفیق محترم حضرت مولانا عطاء اللہ قاسمی <small>ؓ</small>
۱۴۵	تیسری علامت - پیشانی پر پسینہ آنا
۱۴۶	امام ابن الخباز <small>ؓ</small> کا ایک واقعہ
۱۴۶	مؤمن کو موت کے وقت پسینا کیوں آتا ہے؟
۱۴۷	چوتھی علامت - جمعہ کے دن موت ہونا
۱۴۷	جمعہ میں انتقال کی فضیلت پر وارد حدیث کی تخریج و تحقیق (حاشیہ)
۱۵۸	پانچویں علامت - شہادت کی موت پانا
۱۵۹	چھٹی علامت - مرنے والے کے حق میں خیر کی گواہی
۱۶۱	ساتویں علامت - خواب میں زیارت نبوی
۱۶۲	فصل ہشتم حسن خاتمہ کے چند واقعات
۱۶۲	حضرت انس بن مالک <small>ؓ</small> کی وفات
۱۶۲	حضرت سلمان فارسی <small>ؓ</small> کی وفات
۱۶۳	حضرت بلال <small>ؓ</small> کی وفات

۱۶۳	حضرت امیر معاویہ ؓ کا ذکر
۱۶۴	حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ
۱۶۵	امام ابو زرہ رازی ؓ کا واقعہ
۱۶۵	حضرت صفوان بن سلیم ؓ
۱۶۶	امام ابن الخباز ؓ
۱۶۶	حضرت خیر النساء ؓ
۱۶۷	شیخ حسن الکردی ؓ
۱۶۸	امام عبداللہ بن المبارک ؓ
۱۶۸	امام عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب ؓ
۱۶۹	اسماعیل بن بہاؤ الدین ؓ
۱۷۰	حضرت نور محمد جھنجھانوی ؓ کے ایک ساتھی کا قصہ
۱۷۰	اختتام اور دعائے خاتمہ بالخیر

الْبَقَرَةُ

شیخ طریقت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم
(خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد !

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾
تَرْجُمَہٗ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ موت آ جاوے۔
(بیان القرآن)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کے اندر یہ ہدایت فرمائی کہ کسی انسان کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر کوئی ایسا وقت گزارے، جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔)
(بیان القرآن)

نیز اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ عبادت گزاروں کے لیے فرمایا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اعبدوا الرحمن وأطعموا الطعام وأفشوا السلام

تدخلوا الجنة بسلام»

(اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کھانا کھلایا کرو اور سلام کا افشاء کرو،

سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔) (ترمذی: ۳۴۰۲)

میں سمجھتا ہوں کہ مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی نے اسی مقصد کے انکشاف کے لیے کتاب وسنت اور سیرت سلف کی حکایات و واقعات نقل کر کے اس مقصد کی خوب ہی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ فہمزلہ (اللہ تعالیٰ)

• سیرت سلف کی اہمیت: چنانچہ منجملہ اصول طریق کے سیرت سلف بھی ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس سلسلہ میں اپنی جامع کتاب ”تعلیم الدین“ میں حضرت شیخ قوام الدینؒ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے، جس میں کتاب وسنت کے ساتھ سیرت سلف کو بھی معیار طریق قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے:

”اے درویش! محکم و معیار این کار کتاب وسنت ست و سیر سلف کہ

اہل اقتدا بودند نہ اجازت مجرد و مقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش ست

در جائے آباء و اجداد خود نشسته۔“ (اصلاحی نصاب: ۳۴۲)

ترجمہ: اے فقیر اس کام کا معیار و کسوٹی کتاب وسنت اور سیرت سلف ہے (اور سلف سے مراد وہ لوگ ہیں، جو قابل اقتداء ہیں نہ کہ محض اجازت یافتہ اور مقام متبرک کہ فلاں شیخ کا بیٹا اپنے آبا و اجداد کا جانشین ہے۔

چنانچہ مکرم مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب نے سیرت سلف کا اہم پہلو جو موت و مابعد الموت کی استعداد و تیاری ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے سلف کے حالات و واقعات بیان کر کے اس شعبہ کو خوب واضح فرما دیا۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ

چنانچہ اس حقیر نے آپ کی کتاب مسطور ”حسن خاتمہ“ کا قریب قریب بالاستیعاب

مطالعہ کیا، جس سے اپنی حالت پر نظر کر کے متأسف و متأثر ہوا؛ بل کہ دل کانپ گیا اور دل میں تقاضا ہوا کہ آپ کے لیے یہ شعر پڑھوں:

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مراباجانِ جاں ہماراز کردی
اخیر میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب ﷺ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں جو موت کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت موت کا دھیان لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

والسلام

محمد

محمد قمر الزماں الہ آبادی
(دارالمعارف الاسلامیہ، الہ آباد، یوپی)
۱۴ رجب ۱۴۴۰ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش گفتار

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ، وَالْمُرْسَلِينَ، وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انسان مومن اس دنیا میں جس عقیدے کو لے کر زندگی کرتا ہے، اس میں وہ اس عقیدے کا بھی پابند ہے کہ یہ دنیا ایک ناپائے دار اور فانی جگہ ہے، جہاں انسان محض عارضی طور پر اس مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنی آخرت کو بنالے اور سنوار لے؛ لہذا جب تک اسے یہاں رہنا مقدر ہے، وہ یہاں رہے گا اور جب اس کی مقررہ مدت ختم ہو جائے گی، تو وہ یہاں سے کوچ کر کے دارِ آخرت میں جا کر بسیرا کرے گا۔

ہاں! یہ سوال کہ وہاں اس کا حشر کیا اور کیسا ہوگا؟ یہ اس کے اس دنیا میں با ایمان و با عمل زندگی کرنے اور اسی پر خاتمہ پانے پر، یا بے ایمانی اور بد عملی کی زندگی اختیار کرنے اور اسی حالت پر مرنے پر موقوف ہوگا؛ لہذا جب انسان کا اس دنیا سے دم واپس ہو، تو اس وقت اس کا حسن انجام اور حسن خاتمہ مطلوب ہے؛ تاکہ وہ حشر میں نیک نام اور بامراد ہو۔

لہذا ہر مومن کو اس بات کی فکر و تڑپ ہونی چاہیے کہ اس کا خاتمہ بالآخر ہو اور وہ ایمان و یقین کے ساتھ اس دنیا سے واپس ہو؛ تاکہ وہاں اسے اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتیں حاصل ہوں۔

حضرت صوفی سرمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رباعی میں کہا ہے کہ
یاد داری کہ وقتِ زادِ تو ہمہ خنداں بودند و تو گریاں
آن چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو ہمہ گریاں بودند و تو خنداں
(یاد کر کہ تیری پیدائش کے وقت سب لوگ ہنس رہے تھے اور تو روتا
ہوا آیا تھا، اب زندگی اس طرح کرنا کہ تیری موت کے وقت سب تو رو
رہے ہوں اور تو خوش و خرم یہاں سے چلا جائے۔)

اسی مضمون کو ایک عربی شاعر نے بہت خوبصورت اور بلیغ انداز میں نظم کیا ہے، وہ کہتا ہے:

وَلَدْتُكَ اُمِّكَ يَا ابْنَ آدَمَ بَاكِياً

وَ النَّاسُ حَوْلَكَ يَضْحَكُونَ سُوراً

فَاعْمَلْ لِنَفْسِكَ اَنْ تَكُونَ اِذَا بَكُوا

فِي يَوْمِ مَوْتِكَ ضَاحِكاً مَسْرُوراً

موت کے وقت یہ خوشی و مسرت اسی کو حاصل ہوگی، جس کا خاتمہ خیر و ایمان پر
ہو جائے، ایسا شخص یہاں سے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی مقام
میں لے جایا جائے گا اور اس وقت اس کا حال وہ ہوگا، جسے حافظ شیرازی نے رقم کیا ہے:

خرم آں روز کہ کزیں منزل ویراں بروم

راحتِ جاں طلسم، وز پئے جاناں بروم

(میں اس روز بڑا خوش و خرم ہوں گا، جب اس ویراں دنیا سے جاؤں

گا، راحتِ جان طلب کروں گا اور محبوب کے پیچھے چلوں گا۔)

اس حقیر و فقیر سراپا عیوب و تقصیر نے چند ماہ قبل جمعرات کو محلّہ ”بیدواڑی، بنگلور“ میں
ہونے والی ہفتہ واری ”اصلاحی مجلس“ میں اسی عنوان پر گفتگو کی اور دورانِ گفتگو ہی یہ احساس
ہونے لگا کہ یہ عنوان کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور دن رات اس کی جانب متوجہ رہنے کا

متقاضی ہے؛ مگر اس کے باوجود ہم لوگ کس قدر اس مسئلے سے غافل ہیں! یہ سوچ کر اور اپنی بے فکریوں کا اندازہ کر کے دل میں بڑی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی، اسی احساس نے اس بات پر مجھے ابھارا کہ اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے اور اپنے خاتمہ بالخیر کے لیے قرآن و سنت اور اقوال بزرگانِ دین سے استفادہ کروں اور یہ معلوم کروں کہ خاتمہ بالخیر کے لیے کیا وسائل ہیں اور وہ کیا امور ہیں، جو اس میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں؟ چنانچہ احقر نے اس حوالے سے جب مطالعہ کیا، تو مطالعے کے دوران اپنا حاصل مطالعہ بھی لکھنا شروع کیا؛ تاکہ یہ ایک یادداشت کے طور پر اپنے پاس رہے؛ مگر جب اس مواد کی جانب دیکھا، تو معلوم ہوا کہ ایک اچھا خاصا مواد اس سلسلے میں جمع ہو گیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ اگر یہ کسی اور کے لیے بھی فائدہ مند ہو جائے، تو یہ میرے لیے ”الدالُّ علی الخیر“ کا مصداق بن جائے گا۔

لہذا اسی یادداشت کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے، چنانچہ زیرِ نظر تحریر میں قرآن و سنت اور اقوال و احوال اکابر کی روشنی میں خود کو اور دیگر لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مومن کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہیے اور اس میں اس کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ ساتھ یہ بتانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ خاتمہ بالخیر کے اسباب و وسائل کیا ہیں؟ اور وہ کیا امور ہیں، جو خاتمہ بالخیر میں رکاوٹ بننے والے ہیں؟ تاکہ ہم سب خاتمہ بالخیر اور خاتمہ علی الایمان کے لیے خود کو تیار کریں اور خاتمہ بالخیر کے وسائل و اسباب کے استعمال کے ساتھ ان امور سے اجتناب کریں، جو اس کے لیے رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔

اخیر میں اس تحریر کے قارئینِ کرام سے بڑی لجاجت کے ساتھ اس حقیر کی گزارش ہے کہ وہ میرے حق میں ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد اور متعلقین کو ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے اور اس کے لیے مجھے تیاری کی توفیق سے نوازے اور اس میں میری مدد و نصرت فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے میری اس گزارش کو

ضرور کسی لائق سمجھیں گے اور میرے لیے دعا کریں گے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاتمہ بالخیر عطا فرمائے اور ان اعمال و اسباب کے
اختیار کرنے اور برتنے کی توفیق بخشے، جو اس میں معین و مددگار بنتے ہیں اور ان امور سے
بچنے میں مدد فرمائے، جو اس میں سد راہ بنتے ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

مؤرخہ: ۲/ ربیع الثانی / ۱۴۳۹ھ

مطابق: ۲۰/ دسمبر / ۲۰۱۷

فقط

محمد شعیب اللہ خان

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَمَهِّدُ

ایمان کی اہمیت اور اس کے تحفظ کی ضرورت

ایمان سب سے بڑی نعمت

یہ ہر قسم کے شک و ریب سے بالاتر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں، جو مختلف شکلوں اور صورتوں سے اپنے بندوں پر دن رات بارش کی طرح برستی رہتی ہیں، ان نعمتوں میں سے مؤمن کی زندگی میں سب سے بڑی نعمت ”ایمان“ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ پھر یہ نعمت چوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف مؤمن بندوں ہی کو ملتی ہے، غیر مؤمن اس میں اس کے ساتھ شریک و سہم نہیں؛ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص نعمتوں میں سے ایک کہلاتی ہے۔

کیوں نہ ہو، جب کہ اسی کی بنیاد پر انسان کی دنیوی صلاح و فلاح اور اخروی کامیابی و نجات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے ﴿سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ میں کہا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (تحقیق کہ مؤمن لوگ کامیاب ہو گئے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے

فرمایا کہ

« فَأَذْنُ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ

بِالرُّجْلِ الْفَاجِرِ. » (۱)

(یہ اعلان کردہ کہ جنت میں مؤمن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی دین کی تقویت کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔)

اسی طرح احادیث میں ہے کہ آپ کی جانب سے متعدد صحابہ نے حج کے موقع پر منیٰ میں اعلان کیا تھا؛ کہ مؤمن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔
الغرض ایک مؤمن کے لیے اس کائنات میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے اور مؤمن اسی پر فخر کرتا ہے۔
ایمان کے بقا و تحفظ کی فکر

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان سب سے بڑی نعمت خداوندی ہے؛ تو اب ایک اصول سمجھنا چاہیے، وہ یہ کہ کسی انسان کو کوئی نعمت ملتی ہے، تو اس کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ نعمت باقی و محفوظ اور صحیح و سالم رہے اور اس کو باقی و سالم رکھنے کے لیے وہ دو طریقے سے کوشش کرتا ہے: ایک تو اس طرح کہ اس کے بقا کا سامان پیدا کرتا ہے؛ لہذا وہ کبھی تو تجوری میں بند رکھتا ہے اور کبھی اس کو باقی رکھنے تجارت میں لگا کر نفع کماتا ہے اور دوسرے اس طرح کہ اس پر پیش آنے والی آفات و مصائب کے سلسلے میں چونکا رہتا ہے اور ان سے بچاؤ کی تدبیر کرتا ہے؛ لہذا چوروں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے یا کسی اور قسم کے حادثے سے اسے بچانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

اسی فطری اصول کے مطابق ایک مؤمن کا معاملہ اپنے ایمان کے حوالے سے ہوتا

(۱) الصحيح للبخاري: ۶۶۰۷، الصحيح لمسلم: ۲۷۳۵، سنن الترمذي: ۳۰۹۱، سنن

النسائي: ۴۹۹۴، مسند أحمد: ۷۹۶۴، صحيح ابن حبان: ۳۸۲۰

ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوا کہ مؤمن کو اس کائنات میں سب سے بڑی اور مخصوص نعمت ”ایمان“ کی شکل میں دی گئی ہے، تو اس کے باقی وسائل رکھنے کی خواہش اور آرزو اس کی ایمانی فطرت کا لازمہ اور تقاضا ہے؛ لہذا اب اس کو بھی یہی دو کام کرنے ہیں: ایک ایمان کے بقا و سلامتی کی سبیلیں اور وسائل تلاش کرنا اور دوسرے اس پر پیش آنے والے خطرات و آفات سے اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا۔

لہذا ایک مؤمن اپنے ایمان کے حوالے سے سب سے پہلے تو اس کے بقا کے سامان و اسباب پیدا کرتا ہے اور اس کی حفاظت کے ذرائع و وسائل تلاش کرتا ہے اور وہ سامان و وسائل عبادات اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ وغیرہ ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ ہر وقت اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی آفت اور حادثہ ایسا نہ پیش آ جائے، کہ یہ نعمت زائل ہو جائے یا چھن جائے، کہیں کوئی لٹیرا اس کو لوٹ کر نہ لے جائے، یا میں خود کوئی ایسی غفلت ولا پرواہی نہ کر بیٹھوں کہ یہ ضائع ہو جائے۔

ایمان کے لیے دو بڑے خطرے

نعمتِ ایمان کا دشمن اور اس کا لٹیرا یا تو نفس ہے یا شیطان؛ لہذا خواہشات کی پیروی اور شیطان کی اتباع وہ عظیم خطرہ ہے، جو ایک مؤمن کو اپنے ایمان کے حوالے سے ہر وقت فکر مند رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں خطرات بہت بڑے اور خوف ناک ہیں۔ جہاں تک شیطان کا خطرہ ہے، تو اس وجہ سے کہ اس نعمتِ ایمان کو برباد کرنے اور اس کو لوٹنے کے لیے شیطان اور اس کی پوری ذریت ہمہ تن اور ہمہ وقت لگی ہوئی ہے اور ان کی یہ کوشش ہے کہ مؤمن کو اس دنیا میں ہی بے ایمان بنا دیا جائے اور کم از کم اس دنیا سے جاتے ہوئے اسے ایمان سے محروم بنا دیا جائے۔

چنانچہ خود شیطان لعین نے اس کا دعویٰ حضرت حق تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کیا تھا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ﴿سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ﴾ کے اندر کیا ہے:

﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝
ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾

(وہ شیطان کہنے لگا کہ آپ نے چوں کہ مجھے گم راہ قرار دیا ہے؛ لہذا
میں ان لوگوں کو بہکانے کے لیے آپ کے بنائے ہوئے سیدھے راستے پر
بیٹھوں گا، پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے
ان پر حملہ کروں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکرگزار نہیں پائیں گے۔)

اس آیت کریمہ میں شیطان نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر جو دعویٰ کیا
تھا، اس کا ذکر ہے۔ اس کا ما حاصل یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں کو گم راہ کرنے اور اپنی راہ
پر لگانے کی پوری طرح کوشش کروں گا اور ان کو اللہ کا شکرگزار رہنے نہ دوں گا؛ لہذا نتیجہ یہ
ہے کہ ان کو کافر بنا دوں گا۔

اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ ہمیں آگاہ کیا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا
ہوا دشمن ہے۔ چنانچہ ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ﴾ میں دو جگہ اور ﴿سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ﴾ میں ایک جگہ
یہ آیت آئی ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾

(البَقَرَةُ: ۱۶۸، ۲۰۸ / الْاَنْعَامُ: ۱۲۲)

(اور تم شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو؛ کیوں کہ وہ تمہارا کھلا ہوا
دشمن ہے۔)

اس کے علاوہ بھی کئی جگہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، معلوم
ہوا کہ شیطان کا خطرہ، ایمان کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے، جس پر ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے متنبہ
کر دیا ہے۔

لہذا شیطان کے اس زعم اور پھر اسی کے مطابق اس کی گم راہ کن کارروائیاں انسان کے پیچھے مسلسل ہونے کی وجہ سے، ایک مؤمن کو مزید فکر مند ہونا، ایک طبعی و فطری بات ہے؛ کیوں کہ جب اسے اپنی اس نعمت کی قدر ہے اور دوسری جانب شیطان کی عیاری و مکاری اور مؤمن کے خلاف اس کی گم راہ کن کارروائی مسلسل جاری ہے، تو وہ ضرور فکر مند ہوگا اور اس کو فکر مند ہونا چاہیے کہ کہیں یہ لٹیر امیر ایمان برباد نہ کر دے۔

اور رہا نفس کا خطرہ، تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسانی نفس انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے اور اس کو ہلاکت کی جانب لے جاتا ہے۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ، جو گم راہ ہوئے اور آج بھی حق سے روگردانی کیے ہوئے ہیں، اس کی بنیادی وجہ ان کا نفس و خواہش کی پیروی کرنا ہے، اسی لیے قرآن کریم ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ اتباعِ نفس سے پرہیز کرو اور خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کرو اور وہ خواہش کی پیروی کرنے والوں کو سب سے بڑا گم راہ قرار دیتا ہے۔

چناں چہ ﴿سُوْرَةُ الْقَصَصِ﴾ میں ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (الآیۃ: ۵۰)

(اور اس سے بڑا گم راہ کون ہوگا، جس نے اللہ کی جانب سے آنے والی

ہدایت کو چھوڑ کر خواہش کی پیروی کی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔)

بل کہ قرآن کریم خواہشاتِ نفسانیہ کو بھی ایک بت قرار دیتا ہے؛ کیوں کہ انسان خواہش

کے پیچھے پڑتا ہے، تو اسی کو معبود بنا لیتا ہے۔

چناں چہ ﴿سُوْرَةُ الْحَاجِيْتِ﴾ میں ہے:

﴿اَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ

عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَٰ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشُوَةً ط فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ

بَعْدَ اللَّهِ ، أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١﴾

(کیا آپ نے اس کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اس کو گم راہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے گم راہ کرنے کے بعد اس کو کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟)

ایک حدیث میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے سایہ تلے اللہ کے علاوہ پوجے جانے والا کوئی معبود، اللہ کے نزدیک خواہش سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ (۱)

اور ایک حدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوَاهُ يُضِلُّهُ“ (وہ بندہ بڑا برا ہے؛ جس کی خواہش نے اسے گم راہ کر دیا ہو۔) (۲)

الغرض خواہش نفسِ انسان کو ہلاکت کی جانب لے جانے والی چیز ہے اور یہ اس کے ایمان کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔

مؤمن اور اس کے ایمان کی ایک مثال

مؤمن اور اس کی اس نعمت: ایمان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سمندر میں اپنی کشتی کے اندر کروڑ ہا روپیوں کا ساز و سامان اور مال لے کر جا رہا ہے اور اسے وہ مال و دولت اپنی بستی تک لے جانا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ سمندر کا سفر کس قدر خطرات سے پُر ہوتا ہے کہ ایک جانب سمندر کی موجوں میں طغیانی کا خوف، تو دوسری جانب سمندری جانوروں میں سے خطرناک جانوروں کے کشتی کے الٹ دینے کا خوف۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص ہر وقت فکر مند ہوگا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے اور یہ سارا مال و دولت میرے سمیت غرق نہ ہو جائے

(۱) المعجم الكبير للطبراني: ۳۷۳، السنة لابن أبي عاصم: ۳

(۲) السنة لابن أبي عاصم: ۱۰

اور سمندر کی خوفناک موجیں اس کو ضائع نہ کر دیں یا کوئی خطرناک جانور سمندر سے نکل کر کشتی کو الٹ نہ ڈالے! پس جس طرح سمندر کا یہ مسافر سمندر کے سفر میں بالکل مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ سکتا؛ بل کہ وہ ہر وقت اپنی ذات اور اپنے ساز و سامان کے سلسلے میں فکر مند ہوتا ہے، تا آن کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے۔ بالکل اسی طرح آخرت کا مسافر بھی اپنے ایمان کو بہ خیر و عافیت منزل مقصود تک لے جانے تک فکر مند ہی ہوتا ہے کہ کہیں نفس کا حملہ مجھے بے ایمان کر کے میرا سارا سرمایہ ضائع نہ کر دے، یا شیطان اپنی خطرناک چالوں سے مجھے کافر نہ بنا ڈالے؛ لہذا ایک مؤمن آخرت کا سفر مکمل ہونے تک اور اللہ کے پاس بہ خیر و عافیت پہنچنے تک اسی طرح فکر مند و پریشان رہے گا اور رہنا ہے۔

ایمان کے سلسلے میں اس فکر مندی کا کچھ اندازہ ایک بزرگ کے اس قول سے لگائیے کہ وہ کہتے ہیں کہ

”لا تکف دمعک حتی تری فی المعاد ربّعک۔“

(اپنے آنسو اس وقت تک نہ پونچھنا، جب تک کہ آخرت میں اپنی

خوش حالی نہ دیکھ لو۔)

یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مؤمن کو اپنے خاتمے کے سلسلے میں فکر مند ہونا، بے چین رہنا اور ڈرتے رہنا، اس کے ایمان کا فطری تقاضا بھی ہے اور ایمان جیسی عظیم الشان چیز کے عطا ہونے پر رب ذوالجلال کی بارگاہ عالی مقام میں شکر بجالانے کا حق بھی ہے۔

ایک عبرت خیز اور دلوں کو دہلا دینے والا قصہ

امام شمس الدین السفیری شارح بخاری رحمہ اللہ نے ایک عجیب اور دلوں کو دہلا دینے والا قصہ نقل کیا ہے، وہ یہ کہ تین عابد و زاہد لوگ حج کے ارادے سے نکلے اور راستہ چلتے ہوئے، ایک گاؤں میں رات گزارنے کے لیے اترے، وہ گاؤں عیسائی لوگوں کا تھا۔ ان زاہدوں میں سے ایک کی نظر ایک عیسائی لڑکی پر پڑی اور وہ اس پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اس نے آگے ان

کے ساتھ حج کے لیے چلنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور کوئی بہانہ بنا دیا، اس کے دوست تھی اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ یہ شخص اس لڑکی کے باپ سے ملا اور اس کی لڑکی سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا، اس نے کہا کہ مہر بہت دینا ہوگا، اگر تم راضی ہو، تو میں شادی کر دوں گا۔ اس نے پوچھا کہ کیا مہر دینا ہوگا؟ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اس کا مہر یہ ہے کہ تمہیں اپنا اسلام چھوڑنا ہوگا اور دین عیسائیت کو قبول کرنا ہوگا۔ اس پر وہ شخص اسلام کو چھوڑنے اور عیسائی بننے کو تیار ہو گیا۔ چنانچہ عیسائی بن کر اس لڑکی سے شادی کر لیا اور وہیں رہنے لگا اور اس عرصے میں اس کے دو بچے بھی ہو گئے اور چند سالوں کے بعد وہ آدمی اسی بے ایمانی کے ساتھ عیسائیت ہی پر مر گیا۔ اس کے دوست تھی جب حج سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹ گئے اور جب اپنے وطن میں جا کر بھی اس ساتھی کو نہ دیکھا، تو ایک عرصے تک منتظر رہے کہ اب واپس ہو جائے گا اور تب واپس ہو جائے گا؛ مگر کئی سال ہو کر بھی وہ نہ آیا، تو یہ لوگ اپنے اس ساتھی کی خیریت معلوم کرنے، اس گاؤں میں وارد ہوئے اور معلومات کیں، تو لوگوں نے بتایا کہ وہ تو عیسائی ہو گیا اور اسی پر اس کا انتقال ہو گیا اور اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے، تو وہ دونوں قبرستان پہنچے، تو دیکھا کہ اس کی بیوی اور بچے وہاں روتے بیٹھے ہیں، یہ دونوں بھی دور ہی بیٹھ کر رونے لگے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کی بیوی نے پوچھا کہ تم کون ہو اور دور بیٹھ کر کیوں رو رہے ہو؟ انھوں نے قصہ سنایا کہ یہ ہمارا ساتھی حج کے ارادے سے ہمارے ساتھ نکلا تھا اور بڑا عبادت گزار اور نیک تھا؛ مگر اس کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ وہ بے ایمان ہو کر انتقال کر گیا؛ اس لیے ہم رو رہے ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی اور بچے بڑے متاثر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے امام ابو محمد کہتے ہیں کہ پاک ہے اللہ کی ذات! جو مسلمان تھا، وہ کافر مرا اور جو کافر تھے، وہ مسلمان ہو گئے۔ اسی لیے مسلمان کو اپنے خاتمے کے سلسلے میں ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے۔ (۱)

ایک اور اللہ والے کا حال

ایک اللہ والے کا یہ واقعہ متعدد اللہ والوں سے سننے کو ملا کہ ان سے کسی نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی ڈاڑھی اچھی ہے یا میرے بکرے کی ڈاڑھی؟ یہ پوچھنے والا تو محض ایک تفریح کا سامان پیدا کرنا چاہتا تھا، یا ان بزرگ کا مذاق اڑانا چاہتا تھا؛ مگر ان بزرگ نے اس کی بات کا برا نہیں مانا؛ بل کہ وہ خاموش رہے اور جب اس نے بار بار جواب کا تقاضا کیا، تو ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کا جواب میں ابھی دے نہیں سکتا۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں دے سکتے؟ فرمایا کہ جب تک خاتمہ بالخیر نہ ہو اور ایمان پر موت نہ آئے، میں نہیں کہہ سکتا کہ میری ڈاڑھی اچھی ہے یا تیرے بکرے کی ڈاڑھی؟ اگر خاتمہ ایمان پر ہوا؛ تو میری ڈاڑھی اچھی ہے اور نہیں؛ تو تیرا بکرا اور اس کی ڈاڑھی مجھ سے اچھے ہیں۔

اس واقعے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو اپنے ایمان کے بقا و تحفظ کے حوالے سے فکر و توجہ ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی۔

الْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيمِ

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتبار خاتمے کا ہوا کرتا ہے، ایک انسان اپنے آخری وقت میں جس حالت پر ہوتا ہے، وہی دراصل اس کی زندگی کا خلاصہ اور نتیجہ سمجھا جائے گا۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ آخرت میں انسانوں کی ایک جماعت ان خوش نصیب لوگوں کی ہوگی، جن کو وہاں خوشی و سرخ روئی، عظمت و بلندی اور قرب و رضائے خداوندی ملے گی اور ان میں ایک طبقہ ان بد بختوں کا ہوگا، جن کو ذلت و خواری، غمی و رسیا ہی اور عتاب و عذابِ خداوندی کا سامنا ہوگا۔

قرآن کریم میں ﴿سُورَةُ الْعَنْكَرَانِ﴾ میں فرمایا گیا ہے:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ

وُجُوهُهُمْ ۖ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ، فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

تَكْفُرُونَ ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وَجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٠﴾

(جس روز بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، ان سے کہا جائے گا، کیا تم ہی ایمان چھوڑ کر کافر ہو گئے تھے؟ پس اپنے کفر کی پاداش میں اب عذاب چکھو اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

اور ﴿سُورَةُ عَبَسَ﴾ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ
﴿وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۖ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۖ وَوُجُوهٌ
يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكُفْرَةُ
الْفَجَرَةُ﴾

(بہت سے چہرے اس روز چمکتے ہوئے، ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز سیاہی ہوگی، ان پر کدورت ہوگی، یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔)

نیز ﴿سُورَةُ يُوسُفَ﴾ میں فرمایا گیا کہ
﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وَجُوهَهُمْ
قَتَرٌ ۚ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۖ
وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۖ وَلَا تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ
مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وَجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ
الْإِلِّ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

(جو لوگ نیکی کرتے رہے، ان کے لیے بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی، ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی نہ ذلت ہوگی، یہی لوگ جنتی

ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں، تو برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے اور ایسے لوگوں کو ذلت گھیرے گی اور کوئی انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے لپیٹ دیے گئے ہیں، دوزخ والے یہی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

ان سب آیات میں ذکر ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی: ایک وہ جو روسیہ ہوں گے، ان پر ذلت و خواری چھائی ہوئی ہوگی اور وہ دوزخی ہوں گے اور دوسرے وہ جو سرخ رو، چمکتے دھمکتے اور خوش و خرم ہوں گے، یہ اہل جنت ہوں گے۔ جب یہ صورتِ حال قیامت میں واقع ہونے والی ہے اور ہر مؤمن کا یہ یقین و عقیدہ ہے، تو اس کو چاہیے کہ وہ خود کو ان لوگوں میں شامل کرنے کی کوشش کرے، جنھیں سرخ روئی و فرحت و خوشی حاصل ہوگی اور جنھیں قرب خداوندی اور رضائے الہی کی عظیم دولت ملے گی۔

اور یہ بالکل ظاہر و واضح ہے کہ یہ عزت و رفعت، یہ سرخ روئی و عظمت ان لوگوں کا مقدر ہے، جن کا خاتمہ خیر پر ہوا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی قدر میں اس حال میں گئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش و راضی ہو؛ اس کے برعکس جن کا خاتمہ برائی پر ہوا ہو، انھیں اس دولت کے حاصل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؛ بل کہ ان کے حصے میں تو ذلت و رسوائی، ضیق و تنگی، نفرت و حقارت اور عتاب و عذاب آئے گا؛ لہذا ہر مؤمن کو خاتمہ بالخیر ہونے کی فکر میں ہمہ وقت لگا رہنا اور اس کے لیے ہمہ دم کوشش و محنت کرتے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں کیا شک ہے کہ یہ مسئلہ بڑی فکر مندی اور دل سوزی کا ہے کہ ”حسنِ خاتمہ“ میسر آ جائے۔

”الْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيمِ“ پر چند احادیثِ نبویہ

چنانچہ متعدد احادیث میں ہمیں اپنے خاتمے کے بارے میں ڈرایا گیا ہے اور فکر پیدا

کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں اس سلسلے میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عِلْقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ مَلَكًا فَيُؤَمِّرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. » (۱)

(تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک بنایا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں میں وہ خونِ بستر بن جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں میں لوٹھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں لکھنے کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے، کہ اس کا عمل، رزق، عمر اور نیک بختی یا بد بختی لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پس تم میں سے ایک شخص عمل کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس اس پر اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جہنم والوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور ایک آدمی عمل کرتا ہے اور اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنت والوں کا عمل کرنے لگتا ہے۔)

مسلم، ترمذی اور احمد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ

(۱) صحیح البخاری: ۳۲۰۸، صحیح مسلم: ۶۸۹۳، سنن الترمذی: ۲۱۳۷، مسند

أحمد: ۳۶۲۳، سنن البیہقی: ۲۱۸۱۶

ایک آدمی اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس تقدیر غالب آتی اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے عمل پر کر دیا جاتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک شخص جہنم والوں کے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کے بہ قدر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس پر تقدیر غالب آتی اور اس کا خاتمہ اہل جنت کے سے عمل پر کر دیا جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

۲ - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلام کے مدعی کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخی ہے۔ پس وہ شخص جنگ میں شریک ہوا، تو اس نے کفار سے شدید طور پر جنگ کی اور بہت زخمی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے جس کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے، اس نے تو کفار سے زبردست طریقے پر مقابلہ کیا اور وہ بہت زخمی بھی ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیکن وہ تو دوزخی ہے۔ پس بعض مسلمانوں کو اس کے بارے میں شک ہو گیا۔ اسی اثنا میں وہ زخموں کی شدت سے بڑا درد محسوس کرنے لگا اور اس نے اپنی ایک تیر نکالی اور خود کو اس سے بھونک لیا اور خودکشی کر لی۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دوڑے اور جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا، اس شخص نے خود کو بھونک لیا اور خودکشی کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال! کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ جنت میں تو صرف مؤمن جائے گا اور اس دین کو اللہ تعالیٰ کبھی فاجر آدمی سے بھی تقویت دے دیتے ہیں۔ (۱)

۳ - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنَّيِّبِ »

(اعمال کا اعتبار خاتمے کے لحاظ سے ہوتا ہے) (۲)

(۱) صحیح البخاری: ۶۶۰۶، صحیح ابن حبان: ۴۵۱۹، سنن البیہقی: ۱۷۲۸۶

(۲) صحیح ابن حبان: ۳۴۰

۴- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جو مشرکین سے جہاد کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اس کو دیکھ لے، یہ سن کر ایک صحابی اس شخص کے پیچھے پیچھے چلے اور وہ برابر اسی طرح لڑ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ خوب زخمی ہو گیا اور مرنے کی کوشش کرنے لگا؛ لہذا اپنی تلوار کی نوک اپنے سینے کے سامنے رکھ کر اس پر خود کو ڈال دیا، یہاں تک کہ تلوار کی دھار اس کے شانوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ،
وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ، وَ
هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا. » (۱)

(بندہ لوگوں کی نظروں میں اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے اور ایک شخص لوگوں کی نظروں میں اہل جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے اور اعمال کا اعتبار تو خاتمے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔)

کیا زندگی بھر کے اعمال بے کار ہیں؟

ان احادیث میں جو مضمون وارد ہوا ہے، اس سے بہ ظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان اعمال کا کیا اعتبار ہے اور ان کے کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب کہ جو لکھا ہے وہی ہو کر رہتا ہے؟ اور یہ کہ کیا یہ سارے اعمال بے کار ہیں؟

اس اشکال کے جواب میں دو باتیں عرض کی جاتی ہیں: ایک تو یہ کہ احادیث میں خود اس شبہ کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد حضرات صحابہ سے یہ اشکال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنا اور آپ کا جواب مرحمت فرمانا مذکور ہے،

(۱) صحیح البخاری: ۶۳۹۳، مستخرج أبي عوانة: ۱۱۰، المعجم الكبير للطبراني:

۵۶۵۲، الإيمان لابن مندة: ۶۷۷

جن صحابہ سے یہ سوال وجواب مروی ہے، ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوالدرداء، حضرت عمران بن حصین، حضرت ذی الحجۃ الکلابی، حضرت سراقہ بن مالک بن جثم، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات ہیں اور ان کی روایات کتب احادیث میں مروی ہیں۔ یہاں چند روایات کا ذکر کرتا ہوں: چنانچہ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے جنازے میں تھے اور کوئی چیز لے کر زمین کو کرید رہے تھے، پھر فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ کر کے عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« اَعْمَلُوا فِكُلُّ مُيَسِّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ. » (۱)

(عمل کرتے رہو؛ کیوں کہ ہر ایک کو اسی عمل کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، جو شخص اہل سعادت میں سے ہے، اس کو اہل سعادت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت میں سے ہے، اس کو اہل شقاوت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔)

اس سلسلے میں ایک حدیث خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت نقل کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا اعمال کا دار و مدار اس چیز پر ہے، جس سے فراغت ہوگئی ہے یا اس چیز پر ہے، جو آگے پیش آئے گی؟ (یعنی پہلے سے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے، اس پر نجات یا عذاب کا مدار ہے یا جو ہم آگے کریں گے اس پر؟) اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بل کہ مدار تو اس تقدیر پر ہے،

(۱) صحیح البخاری: ۴۹۴۸، صحیح مسلم: ۶۹۰۳، سنن الترمذی: ۲۱۳۶، سنن ابن

ماجہ: ۷۸، مسند أحمد: ۶۲۱

جس سے فارغ ہوا جا چکا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر عمل کس لیے ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« كُلُّ مُيَسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ. » (۱)

(ہر ایک کو اسی کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔)

اسی طرح ایک روایت اس سلسلے میں خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جو عمل کرتے ہیں، یہ کوئی نیا معاملہ ہوتا ہے یا اس تقدیر سے، جس سے فارغ ہو چکے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَكُلُّ مُيَسَّرٍ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلْسَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ. » (۲)

(اے خطاب کے بیٹے! یہ سب پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے اور ہر ایک کو اسی کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا جاتا ہے؛ لہذا جو نیک بخت ہیں، وہ نیک بختی کا عمل کریں گے اور جو بد بخت ہیں، وہ بد بختی کا عمل کریں گے۔)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جواب دیا، تو اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”فَفِيمَ الْعَمَلِ“؟ کہ پھر عمل کیوں کیا جائے؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

(۱) مسند أحمد: ۱۹، مسند البزار: ۲۸، المعجم الكبير للطبراني: ۲۵

(۲) سنن الترمذي: ۲۲۸۲، مسند أحمد: ۱۹۶، مسند البزار: ۱۲۱، مسند الطيالسي: ۱۱

« يَا عُمَرُ! لَا يُدْرِكُ ذَاكَ إِلَّا بِالْعَمَلِ. »

(اے عمر! وہ تقدیر میں لکھا عمل ہی سے ملتا ہے) [تو حضرت عمر نے

عرض کیا کہ پھر تو ہم محنت کریں گے۔] (۱)

معروف صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا اہل جنت اور اہل دوزخ پہلے سے معلوم و متعین ہیں؟ آپ نے کہا کہ ہاں! انھوں نے عرض کیا کہ پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں؟ آپ نے یہی فرمایا کہ

« كُلُّ مُيسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ. »

(ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا جاتا ہے۔) (۲)

حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عمل کا مدار اس تقدیر پر ہے، جس کو لکھ کر قلم سوکھ چکا اور تقدیر جاری ہوگئی یا آئندہ پیش آنے والی بات پر مدار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

« بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ، وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، وَكُلُّ

مُيسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ. » (۳)

(بل کہ عمل کا مدار اس تقدیر پر ہے، جس کو لکھ کر قلم سوکھ چکا اور تقدیر

جاری ہوگئی اور ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا

گیا ہے۔)

ان چند روایات سے یہ بات معلوم و ثابت ہوگئی کہ عمل بیکار نہیں ہے، لہذا عمل کو چھوڑنے کے بجائے اور مضبوط پکڑنے کی کوشش کرنا چاہیے؛ کیوں کہ جیسا کہ معلوم ہوا۔ یہ جو بھی لکھا ہوا ہے، اس کی تحصیل اسی عمل کے ذریعہ ہوگی اور ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی

(۱) صحیح ابن حبان: ۱۰۸

(۲) صحیح مسلم: ۶۹۰۷، سنن أبي داود: ۴۷۱۱

(۳) سنن ابن ماجہ: ۹۱، مسند أحمد: ۱۴۲۹۷، المعجم الكبير للطبراني: ۶۴۶۴

جاتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اوپر پیش کردہ احادیث میں سے ایک حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ

« إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا. »

کہ ایک شخص لوگوں کی نگاہوں میں جنتیوں کے عمل کرتا ہے، یا ایک شخص لوگوں کی نظروں میں اہل جہنم کے عمل کرتا رہتا ہے، اس میں اس اشکال کا جواب ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ اعمال کا اچھا برا ہونا لوگوں کی نگاہوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، جب کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ کے یہاں معاملہ حقیقت کے لحاظ سے ہوتا ہے؛ لہذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کوئی کام اچھا کر رہا ہوتا ہے؛ لیکن اس میں کوئی فتور و قصور عند اللہ ہوتا ہے، جس پر لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی، مثلاً نیت میں خرابی یا کوئی اور باطنی برائی، جس کی وجہ سے وہ عمل عند اللہ برا ہوتا ہے اور فیصلہ اسی کے مطابق ہوتا ہے اور وہ سوئے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللھم احفظنا من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ”جامع العلوم والحکم“ میں اسی بات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ

”إشارة إلى أن باطن الأمر يكون بخلاف ذلك، وإن خاتمة السوء تكون بسبب دسيسة باطنة للعبد لا يطلع عليها الناس، إما من جهة عمل سيئ ونحو ذلك. فتلك الخصلة الخفية توجب سوء الخاتمة عند الموت، وكذلك قد يعمل الرجل عمل أهل النار، وفي باطنه خصلة

خَفِيَّةٌ مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ، فَتَغْلِبُ عَلَيْهِ تِلْكَ الْخَصْلَةُ فِي آخِرِ
عُمُرِهِ، فَتُوجِبُ لَهُ حُسْنَ الْخَاتِمَةِ. (۱)

(یہ جملہ اشارہ ہے، اس جانب کہ حقیقت اس ظاہری عمل کے خلاف
ہوتی ہے اور سوئے خاتمے کا سبب بندے کی کوئی باطنی خرابی ہوتی ہے، جس
پر لوگ واقف نہیں ہوتے، یا تو کسی برے عمل کے اعتبار سے یا کسی اور اس
جیسی خرابی سے، پس وہی مخفی برائی موت کے وقت سوئے خاتمے کا سبب بن
جاتی ہے، اسی طرح کوئی بندہ جہنمیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ
اس کے باطن میں اچھی خصلتوں میں سے کوئی نیکی مخفی ہوتی ہے اور آخری عمر
میں اس پر وہ غالب آتی اور حسن خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔)

الغرض احادیثِ نبویہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کا معاملہ اس کی آخری اور
انتہائی حالت کے مطابق کیا جاتا ہے؛ لہذا ہمیں عمل کو چھوڑنا نہیں؛ بل کہ اور زیادہ مضبوطی
کے ساتھ نیکی و طاعت کی جانب بڑھنے اور لپکنے کی ضرورت ہے۔



فصل اول

شریعت میں حسنِ خاتمہ کی تعلیم

اوپر کی تمہیدی گفتگو میں ایمان کی اہمیت و قیمت، اس کے بقا و تحفظ کی فکر کی ضرورت اور اس بات کا تفصیلی بیان گزرا کہ اعتبار انسان کے آخری وقت کا اور اس کے آخری اعمال کا ہوتا ہے۔

اب یہاں سے ہم حسنِ خاتمہ کے سلسلے میں اسلامی تعلیم اور اکابر کے اقوال و احوال کی روشنی میں اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔

حسنِ خاتمہ اور قرآنِ کریم

آئیے کہ ہم اس حوالے سے سب سے پہلے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا کہا گیا ہے؟

۱۔ اس میں ﴿سُورَةُ الْعَمِّ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق

ہے اور نہ مرو؛ مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔)

اس آیتِ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو موت آئے، تو وہ حالتِ اسلام

|| حَسَنِ خَاتِمَہ ||

وایمان پر آئے؛ لہذا موت جو کہ انسان کا آخری وقت ہے، وہ ایمان کی حالت میں ہونا چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں ”حسنِ خاتمہ“ کی فکر کرنے کی تعلیم ہے؛ کیوں کہ اصل مقصود مرنے سے منع کرنا نہیں ہے کہ یہ انسان کے اختیار ہی میں نہیں؛ بل کہ مقصود غیر حالتِ اسلام پر مرنے سے منع کرنا ہے اور جب غیر حالتِ اسلام پر مرنے سے منع کیا گیا، تو یہ بات لازم آئی کہ حالتِ اسلام پر رہنے کی تعلیم مقصود ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں اس نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ظاہرہ النہی عن أن يَمُوتُوا إِلَّا وَهُمْ مُتَلَبِّسُونَ بِالْإِسْلَامِ. والمعنى: دُومُوا عَلَى الْإِسْلَامِ؛ حَتَّى يُوَافِيَكُمْ الْمَوْتُ، وَأَنْتُمْ عَلَيْهِ، وَنَظِيرُهُ مَا حَكَى سِيبَوِيهٌ مِنْ قَوْلِهِمْ: لَا أَرِيْنِكَ هَهُنَا، وَإِنَّمَا الْمُرَادُ: لَا تَكُنْ هُنَا فَتَكُونَ رُؤْيِي لَكَ.“ (۱)

(آیت کا یہ جملہ ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ بہ ظاہر تو اس بات سے منع کرنے کے لیے ہے، کہ تم نہ مرو؛ مگر اس حال میں کہ اسلام سے آراستہ ہو؛ لیکن مقصود یہ ہے کہ اسلام پر قائم و دائم رہو؛ یہاں تک کہ تمہیں موت اس حال میں آئے کہ تم اسی پر قائم ہو، اس کی مثال وہ ہے، جو علامہ سبویہ نے عرب لوگوں کے کلام سے نقل کی ہے کہ ”لا أَرِيْنِكَ هَهُنَا“ کہ میں تجھے یہاں نہ دیکھوں، اس سے تو یہ مراد ہے کہ تو یہاں نہ رہنا کہ میں تجھے دیکھوں۔)

لیکن یہاں یہ بھی سمجھتے چلیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاتمہ علی الایمان کی تعلیم کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ان سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک مؤمن کو ہر وقت ایمان پر قائم

رہنے کی کوشش کرنا چاہیے، اُسی وقت وہ اس میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ اسے ایمان پر موت نصیب ہو؛ کیوں کہ جب ایک شخص زندگی بھر اسلام پر قائم اور اخلاص نیت کے ساتھ اسی پر دائم رہنے کے لیے کوشاں ہوگا، تو امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام و ایمان ہی پر موت دیں گے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ

”أَي: حَافِظُوا عَلَى الْإِسْلَامِ فِي حَالِ صِحَّتِكُمْ وَ سَلَامَتِكُمْ؛ لَتَمُوتُوا عَلَيْهِ؛ فَإِنَّ الْكَرِيمَ قَدْ أَجْرَى عَادَتَهُ بِكَرَمِهِ أَنَّهُ مَنْ عَاشَ عَلَى شَيْءٍ مَاتَ عَلَيْهِ، وَ مَنْ مَاتَ عَلَى شَيْءٍ بُعِثَ عَلَيْهِ.“ (۱)

(یعنی حالت صحت و سلامتی میں اسلام کی پابندی کرو؛ تاکہ تم اسلام ہی پر موت پاؤ؛ کیوں کہ اللہ کریم نے اپنے کرم سے اپنی یہ عادت و سنت جاری کی ہے، کہ جو جس طریقے پر جیتا ہے، اسی پر مرتا ہے اور جو جس طریقے پر مرتا ہے، اسی پر اس کو مبعوث کیا جاتا ہے۔)

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”رہا یہ معاملہ کہ آیت میں حکم یہ ہے کہ تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہیے، اسلام کے سوا کسی حال پر موت نہ آنی چاہیے، تو یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موت تو آدمی کے اختیار میں نہیں، کسی وقت کسی حال میں آ سکتی ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ”كَمَا تَحْيَوْنَ تَمُوتُونَ، وَ كَمَا تَمُوتُونَ تُحْشَرُونَ.“ (یعنی جس حالت پر تم اپنی زندگی گزارو گے، اسی پر موت آئے گی اور جس حالت پر موت آئے گی، اسی حالت میں حشر

|| حُسنِ خاتمہ ||

میں کھڑے کیے جاؤ گے) تو جو شخص اپنی پوری زندگی اسلام پر گزارنے کا پختہ عزم رکھتا ہے اور مقدور بھر اس پر عمل کرتا ہے، اس کی موت ان شاء اللہ اسلام ہی پر آئے گی۔“ (۱)

الغرض اس آیت کریمہ سے یہ حکم دینا مقصود ہے کہ تم اسلام پر زندگی گزارو؛ تاکہ تم کو اسی حال میں موت آئے اور تمہارا ایمان اور خیر پر خاتمہ ہو۔

۲ - قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ خاتمہ بالخیر کی جانب توجہ اس ضمن میں دلائی گئی ہے کہ پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنی امتوں کو یہی سبق دیا تھا کہ انجام بہ خیر ہونے کی فکر کی جائے۔ گویا یہ ایک مشترک حکم ہے، جس میں ساری قومیں اور ملتیں شامل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد یا اپنی ملت کو یہی وصیت کی تھی کہ تم حالت اسلام ہی پر قائم و دائم رہ کر اسی پر مرو۔

قرآن کریم میں ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ﴾ میں ہے کہ

﴿وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ط يٰبَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

(اور اس کی وصیت کی تھی، حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو پسند کر لیا ہے؛ لہذا تم نہ مرنا؛ مگر اسلام ہی کی حالت میں۔)

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اور دیگر پیغمبران بھی لوگوں کو اسی کی تعلیم دیتے تھے کہ اپنے حسنِ خاتمہ کی فکر کرو اور اس کے لیے ممکنہ حد تک کوشش سے گریز نہ کرو، یہاں تک کہ تمہارا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔

خاتمہ بالخیر اور احادیث

احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کی جانب

حُسنِ خاتمہ

متوجہ کیا کہ مؤمن حالتِ ایمان کے ساتھ دنیا سے جائے اور اس کی کوشش و محنت کرے۔

۱- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ، وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ. » (۱)

(جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دوزخ سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل ہو جائے، اس کو چاہیے کہ اس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہو، جو خود کے لیے پسند کرتا ہو۔)

اس حدیث میں دو باتیں دوزخ سے بچنے اور جنت میں داخلے کے لیے بتائی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ ایمان پر موت آئے اور دوسرے یہ کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، یہاں تک کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہی دوسروں کے لیے پسند کرے۔

۲- ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

« بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ لَا أُخِرَّ إِلَّا قَائِمًا. » (۲)

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ میں نہیں گروں گا؛ مگر کھڑے ہونے کی حالت میں۔)

اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں نماز میں سجدے میں جانے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہیے کہ نمازی کھڑا ہو کر سجدے کے لیے جھکے اور امام نسائی نے اسی لیے اس حدیث کو ”باب کیف یخسر للِسجود“ میں ذکر کیا

(۱) صحیح مسلم: ۴۸۸۲، مسند أحمد: ۶۸۰۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۶۶،

سنن البیہقی: ۱۷۱۳۷، شعب الإیمان: ۱۰۶۱۴، مسند أبی عوانة: ۱۷۷

(۲) سنن النسائی: ۱۰۸۴

حَسَنِ خَاتِمہ

ہے؛ مگر اس کا ایک مفہوم امام ابو عبید وغیرہ نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ ”خرر“ کے معنے مرنے کے ہیں اور قائم سے مراد ایمان اور حق پر قائم ہونا ہے؛ لہذا اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ”لا أموت إلا ثابتاً على الحق“ (میں نہیں مروں گا؛ مگر اس حال میں کہ میں حق پر ثابت قدم رہوں) علامہ زنجشیری نے ”الفائق“ میں اور علامہ ابن الجوزی نے ”غریب الحدیث“ میں یہی معنی لکھا ہے۔ (۱)

علامہ ابن کثیر نے بھی مذکورہ آیت کے تحت اس حدیث کو لکھا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی گویا اسی معنی کی ترجیح کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ (۲)

۳۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک موقع پر ایک طویل دعا فرمائی، اس میں ایک دعا یہ بھی فرمائی کہ

« اللَّهُمَّ تَوَقَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأُخِينَا مُسْلِمِينَ، وَالْحَقَّنَا
بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ. » (۳)

(اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)

حسنِ عاقبت کی فکر اسوۂ انبیاء و اولیا

یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ کے بعد ہمارے لیے سب سے بڑا سرمایہ ہدایت اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے، تو وہ حضرات انبیاء عظام اور اولیائے کرام کا اسوۂ حسنہ ہے اور جو بھی ان حضرات کا اسوہ دیکھے گا، یا سنے گا اس پر یہ بات آشکارہ ہو جائے گی

(۱) الفائق فی غریب الحدیث: ۳۶۱، غریب الحدیث لابن الجوزی: ۲/۲۷۱

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۲/۸۹

(۳) مسند أحمد: ۱۵۵۳۱، السنن الکبریٰ للنساء ی: ۱۰۳۷، مستدرک حاکم:

۴۳۰۸، الأدب المفرد: ۶۹۹، مسند البزار: ۳۷۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی ی: ۴۴۱۹،

الدعا للطبرانی: ۱۰۷۵، الدعوات الکبیر للبیہقی: ۱۷۳

حَسَنِ خَاتِمہ

کہ حسنِ عاقبت کی فکر کرنا اور دوسروں کو اس جانب متوجہ کرنا اور اس کے لیے دعا کا اہتمام حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا اسوہ حسنہ ہے اور یہ کہ وہ حضرات ہمیشہ اس کی فکر میں رہتے تھے اور اس کے لیے کوشاں بھی کہ انجام نیک ہو۔

حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت یعقوب ؑ کا اسوہ

اوپر قرآنِ کریم کے حوالے سے یہ بات گزر گئی کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت یعقوب ؑ نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو پسند کر لیا ہے، لہذا تم اسی پر قائم رہنا اور نہ مرنے؛ مگر اسلام ہی کی حالت میں۔

معلوم ہوا کہ خاتمہ بالخیر کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنا اور ان میں اس کی فکر پیدا کرنا بھی انبیاء کی سنت اور طریقہ ہے، اس سے خود ان کا اس سلسلے میں فکر مند ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف ؑ کا اسوہ

چنانچہ قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَةُ يُوسُفَ﴾ کے اندر حضرت سیدنا یوسف ؑ کی دعا ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے:

﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ اَنْتَ وَلِيّٰ فِی الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ ۚ تَوْفَّنِي مُسْلِمًا ۖ وَالْحَقْنِیْ بِالصَّٰلِحِیْنَ ۝﴾

(اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں، پس مجھے موت بھی مسلمانی کی حالت میں عطا کیجیے اور نیک لوگوں میں مجھ کو شامل کیجیے۔)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

”اس دعا میں حسنِ خاتمہ کی دعا خاص طور پر قابلِ نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ کتنے ہی درجاتِ عالیہ دنیا اور آخرت کے ان کو نصیب ہوں اور کتنے ہی جاہ و منصب ان کے قدموں میں ہوں، وہ کسی وقت ان پر مغرور نہیں ہوتے؛ بل کہ ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ حالات سلب یا کم نہ ہو جائیں، اس کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری و باطنی نعمتیں موت تک برقرار رہیں؛ بل کہ ان میں اضافہ ہوتا رہے۔“ (۱)

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا حال

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں روایت ہے کہ ”ان کے چھوٹے بچے ان کے بدن پر پسلیوں پر سے چڑھتے اترتے تھے؛ مگر حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سر جھکائے خاموش رہتے، نہ سراٹھاتے اور نہ ان کو کچھ کہتے تھے۔ آپ کے ایک بیٹے نے کہا کہ اباجی! کیا آپ ان کو دیکھ نہیں رہے ہیں کہ یہ آپ کے اوپر کس طرح چڑھ رہے اور اتر رہے ہیں؟ آپ ان کو کیوں کچھ نہیں کہتے؟ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ بیٹا! میں وہ چیز دیکھتا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے اور وہ بات جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ میں نے ایک دفعہ ایک حرکت کی، تو اس کی وجہ سے مقامِ کرامت سے مجھے مقامِ ذلت میں اور دارِ نعیم سے دارِ شقا میں اتار دیا گیا۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کچھ حرکت کروں، تو کوئی ایسی بات پیش نہ آجائے، جو میں نہیں جانتا۔“ (۲)

(۱) معارف القرآن: ۵/۱۳۷

(۲) إحياء العلوم: ۴/۳۴۶

حضراتِ انبیا اور خوفِ خاتمہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ کے ایک پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے بھوک کی اور کپڑے نہ ہونے کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی اور اس میں فرمایا کہ اے بندے! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارے دل کو کفر سے بچایا ہے؛ یہاں تک کہ تم مجھ سے دنیا مانگتے ہو؟ اس پر اُن پیغمبر نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! میں بے شک راضی ہوں، پس آپ مجھے کفر سے بچالیں۔ (۱)

حضراتِ ملائکہ اور فکرِ انجام

علامہ شمس الدین السفیری رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری نے نقل کیا ہے کہ ”جب ابلیس لعین نے اللہ کی مخالفت کی اور وہ اللہ سے قربت و عبادت کا مقام پانے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے دور کر دیا گیا، تو حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام رونے لگے۔ اللہ نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں اس قدر کیوں روتے ہو، جب کہ میں تو کسی پر ظلم نہیں کرتا؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم آپ کے مکر سے بے خوف نہیں، یعنی ہم اس بات سے بے خوف نہیں کہ آپ قرب کے بعد بعد کا فیصلہ کر دیں اور سعادت کے بعد شقاوت کا فیصلہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں! تمہیں اسی طرح رہنا چاہیے کہ میرے مکر سے بے خوف نہ ہوں۔“ (۲)

امام الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

اسی طرح ہمارے آقا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو انجام کی کس قدر فکر دامن گیر رہتی تھی، حتیٰ کہ جیسا اوپر گزرا۔ آپ نے ایک موقع پر ایک طویل دعا فرمائی، اس میں ایک دعا یہ بھی فرمائی کہ

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر: ۵۱، شرح البخاری للسفیری: ۱۷/۱۴

(۲) شرح البخاری للسفیری: ۱۶/۱۴

« اللَّهُمَّ تَوَقَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحِينَا مُسْلِمِينَ، وَالْحَقُّنَا
بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ. »

(اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی
حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال
میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)
نیز متعدد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر
ثابت قلبی کی دعا کیا کرتے تھے۔

۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: اللَّهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي
عَلَى دِينِكَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَخَافُ عَلَيْنَا وَقَدْ آمَنَّا
بِكَ، وَصَدَّقْنَاكَ بِمَا جِئْتَ بِهِ، فَقَالَ: إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ
إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلَّبُهَا. » (۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے دل کو
دین پر جمادیتجیے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا
رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت پر ایمان
لائے ہیں، کیا آپ ہم پر کسی بات کا خوف و اندیشہ کرتے ہیں؟ آپ نے
فرمایا کہ ہاں! بلاشبہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہے، وہ
جس طرح چاہتا ہے، ان کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔)

۲- زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا
کرتے تھے کہ «يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ» (دلوں کو الٹ پلٹ
کرنے والے! میرے دل کو آپ کے دین پر جمادیتجیے) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

(۱) الترمذی: ۲۱۴۰، ابن ماجہ: ۳۸۳۳، أحمد: ۱۲۱۲۸، مسند البزار: ۷۵۰۸

|| حُسنِ خاتِمہ ||

آپ یہ دعا کثرت سے کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

« يَا أُمَّ سَلَمَةَ إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِي إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ إصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ . »

(اے ام سلمہ! کوئی بھی آدمی ہو، اس کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے، پس جس کو چاہیں گے، اس کو دین پر قائم رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے اس کو گم راہ کر دیں گے۔) (۱)

۳- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے کہ جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعا کو کثرت سے پڑھنے کا سبب پوچھا، تو آپ نے یہی بات جواب میں ارشاد فرمائی۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ

« وَمَا يُؤْمِنُنِي وَقُلُوبُ الْعِبَادِ بَيْنَ إصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقَلِّبَ قَلْبَ عَبْدٍ قَلْبُهُ وَقَلْبَ الْوَسْطَى وَ السَّبَّابَةِ . » (۳)

(اے عائشہ! میں کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں! جب کہ بندوں کے قلوب تو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں، جب وہ کسی بندے کے دل کو پلٹ دینا چاہے گا، تو اس کو پلٹ دے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو پلٹ کر دکھایا۔)

غور کیجیے کہ ان احادیث نبویہ نے ہمارے سامنے ہمارے آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتمے کی فکر کرتے تھے، اس کے لیے تیاری کا

(۱) سنن الترمذی: ۳۵۲۲، مسند أحمد: ۲۶۷۲۱، مسند الطیالسی: ۱۷۱۳

(۲) السنن الکبریٰ النسائی: ۷۶۹۰، مسند أحمد: ۲۶۷۲۱

(۳) مسند أحمد: ۲۶۷۲۱، مسند أبي يعلى: ۴۶۶۹، اعتلال القلوب للخرائطي: ۱۲

درس دیتے تھے اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعائیں کیا کرتے تھے اور یہ عمل کبھی کبھی نہیں؛ بل کہ بڑی کثرت کے ساتھ یہ عمل کیا کرتے تھے؛ حالاں کہ آپ پر کوئی خدشہ و خطرہ نہیں تھا، آپ بخشے بخشائے ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کا حال

اسی طرح قرآن میں حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے قصے میں مذکور ہے کہ جب وہ فرعون کے پاس اللہ کا پیغام لے کر گئے، تو اس لعین نے آپ کو جادوگر قرار دے کر آپ کے مقابلے کے لیے جادوگروں کو بلایا اور ان سے آپ کا مقابلہ کرایا۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کی جلالت شان اور ان کا عظیم معجزہ دیکھا، تو وہ سب کے سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور جب فرعون نے ان کو دھمکی دی کہ وہ انھیں سولی پر چڑھا دے گا اور ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا، تو ان جادوگروں نے اس کو جواب دیا کہ کیا تو ہمیں اس لیے تکلیف دیتا ہے کہ اللہ کی نشانیاں دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں؟ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ”پروردگار! ہمیں صبر عطا فرما اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات عطا فرما۔“

قرآن کریم میں سُورَةُ الْاٰنْكَافِ میں ان لوگوں کی اس دعا کو بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ

﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّنَا مُسْلِمِينَ﴾

(اے پروردگار! ہمیں صبر عطا کر اور ہمیں اسلام کی حالت پر موت

عطا فرما۔)

ان حضرات کی اس دعا کو بہ طور خاص ذکر کرنے سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی یہ بات کس قدر اہم تھی کہ اس کا قرآن کریم میں ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ لہذا اس سے اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن انجام کے لیے درخواست کرتے رہتے ہیں اور جیسا کہ اوپر گزرا حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی اسوہ ہے؛ لہذا ہمیں بھی اس کی اتباع میں ہمہ وقت اس سلسلے میں فکر

مند رہنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ کا حال

جب حضرت عمر بن الخطابؓ کو نیزہ مارا گیا اور آپ شدید زخمی ہوئے اور اسی میں آپ کا انتقال ہوا، تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے کارناموں اور اسلام کے لیے آپ کی خدمات کا ذکر کیا، تو آپؓ نے فرمایا کہ ”مغرو تو وہ ہے، جس کو تم لوگ دھوکے میں مبتلا کر رہے ہو۔“

پھر فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ سب کچھ ہوتا، جس پر سورج طلوع ہوا ہے، تو وہ سب میں قیامت کے دن کی ہولناکی کے بدلے فدیہ دے دیتا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو کہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں اور ان کے بڑے مناقب احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو آپ بیمار ہوئے، حضرت عثمانؓ آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ فرمایا کہ میرے گناہوں کا شکوہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا کہ میرے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا کوئی طبیب بھیج دوں؟ تو کہا کہ میرے طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔ (۲)

حضرت ابوالدرداءؓ کا خوف

حضرت ابوالدرداءؓ نے وفات کے وقت اپنی بیوی ام الدرداءؓ کو بلایا اور اپنے سے چمٹایا اور پھر فرمایا کہ اے ام الدرداء! تم دیکھ رہی ہو کہ مجھ پر موت طاری ہو رہی ہے اور خدا کی قسم! مجھ پر ایک ایسی شدید چیز پیش آئی ہے کہ کبھی اس سے زیادہ سخت چیز نہیں پیش آئی تھی، اگر اللہ کے نزدیک یہ میرے لیے خیر ہے، تو اس کے بعد کے تمام احوال میرے

(۱) وصایا العلماء للإمام الربيعي: ۳۸

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۹۸/۱

حَسَن خَاتِمہ

لیے آسان ہیں اور اگر بات اس کے برعکس ہے، تو خدا کی قسم! یہ موت کی سختی، بعد کے احوال کے مقابلے میں بس اتنی ہے، جیسے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی تکلیف۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور فرمایا کہ اے ام الدرداء! اس جیسے پھڑنے کے وقت کے لیے عمل کی تیاری کرو! اے ام الدرداء! اس وقت کے لیے عمل کرنا! پھر اپنے صاحبزادے بلال کو بلا کر بھی اسی طرح کی نصیحت کی اور روح قبض ہو گئی۔ (۱)

حضرت سلمان فارسیؓ کا خوف اور بکا

حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں کی وجہ سے رونا آتا ہے: ایک تو اس وجہ سے کہ دوستوں (یعنی محمد ﷺ اور صحابہ) سے جدائی ہو گئی، دوسرے اس وجہ سے کہ سكراتِ موت کے وقت ہول و پریشانی ہوگی اور تیسرے اس لیے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے اس وقت کھڑا ہونا ہے؛ جب کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں۔ (۲)

حضرت امیر معاویہؓ کا گریہ و بکا

حضرت امیر معاویہؓ کا وقتِ وصال جب قریب ہو، تو وہ رورہے تھے۔ پوچھا گیا کہ کیوں رورہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں اس لیے نہیں رورہا ہوں کہ موت آگئی اور اس لیے بھی نہیں کہ میں دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ لیکن اس لیے کہ دو مٹھیاں ہیں: ایک مٹھی جنت کی اور ایک دوزخ کی اور میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ (۳)

حضرت حسن بن علیؓ کا حال

حضرت حسن بن علیؓ کے وصال کے وقت آپ نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے صحن میں لے جاؤ؛ تاکہ میں آسمان کو دیکھوں۔ جب آپ کو صحن میں لوگ اٹھا کر لائے، تو آپ

(۱) المحتضرین لابن أبي الدنيا: ۱۶۴

(۲) الزهد للامام أحمد: ۱۵۳، الزهد لابن المبارك: ۲۴۹، حلیۃ الأولیاء: ۲۰۷/۱،

الترغیب و الترہیب للأصبہانی: ۱۶۷

(۳) المحتضرین لابن أبي الدنيا: ۲۶۸

حَسَن خَاتِمہ

نے آسمان کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا کہ اے اللہ! میں آپ کے نزدیک اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں؛ کیوں کہ یہ میرے نزدیک سب سے زیادہ عزیز ہے۔ (۱)

ایک صحابی: ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

ایک صحابی حضرت ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نام کے گزرے ہیں، جب وہ بیمار ہوئے، تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، دیکھا کہ وہ صحابی رو رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ اپنی مونچھیں تراش لو اور اسی پر قائم رہو، یہاں تک کہ مجھ سے قیامت میں مل لو؟ (یعنی اس میں آپ کو بشارت ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں گے اور خاتمہ ایمان پر ہوگا) ان صحابی نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات تو ہے؛ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ

«إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَبْضُ قَبْضَةٍ بِيَمِينِهِ، وَقَالَ: هَذِهِ

لِهَذِهِ، وَلَا أَبَالِي وَقَبْضُ قَبْضَةٍ أُخْرَى بِيَدِهِ الْأُخْرَى، فَقَالَ: هَذِهِ

لِهَذِهِ، وَلَا أَبَالِي فَلَا أُدْرِي فِي أَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا.» (۲)

اللہ تعالیٰ نے ایک مٹھی اپنے داہنے ہاتھ سے لی اور دوسری مٹھی دوسرے ہاتھ سے لی اور فرمایا کہ یہ مٹھی اس (جنت) کے لیے ہے اور یہ مٹھی (دوزخ) کے لیے ہے اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا، پس میں نہیں جانتا کہ میں اللہ کی کس مٹھی میں تھا۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا حال

ایک بار حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ پوری رات صبح تک روتے رہے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ گناہوں کے خوف سے رو رہے ہیں؟ انھوں نے زمین سے ایک تڑکا اٹھایا اور کہا کہ گناہ تو میرے نزدیک اس تنکے سے زیادہ ہلکے ہیں، میں تو سوئے خاتمے کے خوف سے رو رہا ہوں۔ پھر خود سفیان ثوری بھی اور جو دوسرے لوگ تھے، وہ بھی رونے لگے۔ (۳)

(۱) البدایة والنهاية: ۸/۲۷

(۲) مسند أحمد: ۶۲۹، الجامع المسند: ۱۲۸۲۸، مجمع الزوائد: ۸/۱۷۷، إسناده صحيح.

(۳) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۵

محدث عمرو بن قیس الملائیؓ کا حال

حضرت امام عمرو بن قیس الملائیؓ ایک عظیم محدث گزرے ہیں، جن کی تعریف حضراتِ ائمہ نے کی ہے۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا، تو وہ رونے لگے، ان کے اصحاب نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا اس لیے رو رہے ہیں کہ دنیا جا رہی ہے، جب کہ آپ نے تو دنیا میں کوئی عیش و عشرت ہی نہیں کیا؟ یعنی یہ کہ اس کی وجہ سے تو آپ کو کوئی غم نہ ہوگا، پھر کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ”إِنَّمَا أَبْكِي خَوْفًا أَنْ أَحْرَمَ مِنَ الْآخِرَةِ“ (میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں آخرت میں محروم ہو جاؤں۔) (۱)

حضرت ابو یزید بسطامیؓ کی کیفیت

حضرت ابو یزید بسطامیؓ بڑے اولیاء اللہ اور صوفیا میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے وضو کرتے، تو ان کے ہاتھ پیر اور پورے جسم میں زلزلہ سا برپا ہو جاتا، وہ کانپنے لگتے؛ یہاں تک کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور تکبیر تحریمہ کہتے تو کچھ قرار آتا۔ اس بارے میں ان سے پوچھا گیا کہ وضو کے وقت آپ کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ

”أَخَافُ أَنْ تُذَرِّكَنِي الشَّقَاوَةُ، فَأَخْطِي إِلَى كَنَائِسِ الْيَهُودِ

وَالنَّصَارَى وَبَيْعِهِمْ.“

(مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں مجھے بدبختی نہ گھیر لے اور میں بجائے

مسجد کے یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کی طرف نہ چل پڑوں۔) (۲)

(۱) تاریخ بغداد: ۱۲/۱۶۵

(۲) شرح البخاری للسفیری: ۱۵/۴۱

فکرِ انجام اور اقوالِ اکابر

اسوۂ انبیاء اور احوالِ اولیاء کے بعد اس حوالے سے اکابرینِ امت کے اقوال بھی ہمارے لیے سامانِ ہدایت ہوا کرتے ہیں؛ لہذا خاتمہ بالخیر کے سلسلے میں ایک مؤمن کو جو فکرِ لاحق ہونا چاہیے، اس جانب توجہ دلاتے ہوئے اکابر و اسلاف نے جو کہا ہے، اس میں سے بعض اقوال یہاں نقل کرتا ہوں، جن سے اس حوالے سے ان کی فکرِ مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت منصور بن عمار ؓ نے فرمایا کہ

”جب انسان کی موت قریب ہوتی ہے، تو اس کا حال پانچ حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے:

- (۱) اس کا مال اس کے وارث کو مل جاتا ہے۔
- (۲) اس کی روح ملک الموت لے جاتا ہے۔
- (۳) اس کا جسم اور گوشت پوست قبر کے کیڑوں مکوڑوں کا حصہ بن جاتا ہے۔
- (۴) اس کی ہڈیاں مٹی میں گل جاتی ہیں۔
- (۵) اور اس کی نیکیاں اس کے حریف لوگ (جن کا حق اس نے مارا تھا) وہ لے جائیں گے۔

پھر انھوں نے کہا کہ اے کاش! موت کے وقت اس کا ایمان شیطان نہ اچک لے جائے۔ (۱)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ
 ”لَا تَكْفُ دَمْعَكَ حَتَّى تَرَى فِي الْمَعَادِ رُبْعَكَ.“ (۲)

(۱) شرح بخاری للسفیری: ۱۵/۱۴

(۲) العاقبة فی ذکر الموت: ۱۷۶

(اپنے آنسو اس وقت تک نہ پونچھنا؛ جب تک کہ آخرت میں اپنی خوش حالی نہ دیکھ لو۔)

ایک اور اللہ والے کا قول ہے کہ

”لَا تَكْخُلْ عَيْنَكَ بِنَوْمٍ؛ حَتَّى تَرَى حَالَكَ بَعْدَ الْيَوْمِ.“ (۱)
(اپنی آنکھ کو نیند کا سرمہ نہ لگا؛ جب تک کہ آج کے بعد قیامت کے دن میں اپنا حال نہ دیکھ لے۔)

اور سنتے چلیے کہ بعض سلف نے کہا کہ

”لَا تَبْتَ وَأَنْتَ مَسْرُورٌ؛ حَتَّى تَعْلَمَ عَاقِبَةَ الْأُمُورِ.“ (۲)
(خوش و خرم ہو کر رات نہ گزارنا، جب تک کہ انجام کار معلوم نہ ہو جائے۔)
کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ

”لَا يَخْصِبُ لَكَ الْجَنَابُ، وَلَا تَأْنِسُ بِكَعَابٍ؛ حَتَّى تَرَى مَا خُطَّ لَكَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، وَتُسْتَبِينَ الْعَاقِبَةَ وَالْمَأْبُ.“ (۳)
(تجھے کوئی خوشی و فرحت نہیں مل سکتی اور تو کوئی عزت و مرتبہ نہیں پاسکتا
جب تک کہ تو یہ دیکھ لے کہ تقدیر میں تیرے حق میں کیا لکھا گیا ہے اور
عاقبت اور انجام کیا ظاہر ہو۔)

ان تمام اقوال اکابر سے جو بات ظاہر و مفہوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان اکابر کے نزدیک انسان کے انجام اور خاتمے کا مسئلہ نہایت اہم و قابل فکر و توجہ تھا؛ اس لیے وہ خود بھی اس جانب متوجہ رہتے تھے اور دیگر لوگوں کو بھی اپنے ان نصائح و مواعظ اور ارشادات و تنبیہات سے اس جانب متوجہ کرنا چاہتے تھے، لہذا ان کی زبان اور قلم سے یہ اقوال ظاہر ہوئے۔

(۱) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۶

(۲) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۶

(۳) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۶

فصل دوم

موت کی نازک گھڑی میں انسان اور شیطان کی آپسی کشمکش

انسان کے لیے اس کی زندگی کا سب سے زیادہ سخت اور کٹھن وقت وہ ہوتا ہے، جب وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر کے دارِ بقا کی جانب چلتا ہے اور اس کی پوری زندگی کا خلاصہ و نتیجہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔

یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی اچھائی و برائی کے دونوں سلسلے اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال کے سارے دفاتر لپیٹ دیے جاتے ہیں؛ اس لیے یہ وقت ایک مؤمن کے لیے اگر بڑا اہم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو صحیح سلامت بچا کر لے جائے، تو دوسری جانب یہ وقت شیطان کے لیے بھی انسان کو گم راہ کرنے اور اس کو بے ایمان بنانے کی کوشش کا آخری و حتمی وقت ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ اس کے پنچے سے نکل جاتا اور آزاد ہو جاتا ہے؛ لہذا شیطان اس وقت اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انسان کو بے ایمان بنانے کی کوشش اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنی پوری ذریت کو ساتھ لے کر کرنے پر تل جاتا ہے اور کوئی دقیقہ اس سلسلے میں فرو گزاشت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے یہ وقت انسان مؤمن کے لیے بڑی کشمکش کا ہوتا ہے۔

یہاں اب اس سلسلے میں چند ضروری اور اہم امور کا پیش کرنا مقصود ہے، جن سے اس نازک ترین وقت میں پیش آنے والے احوال کا ذکر اور شیطانِ لعین کی جانب سے ہونے والی گم راہ کن چال بازیوں کا تذکرہ ہوگا۔

موت کے وقت انسان کا حالِ زار

سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ انسان پر موت کے وقت نہایت سختی پیش آتی ہے اور وہ سکرات و غمرات کے عالم میں نہایت بے چین ہو جاتا ہے۔ موت کی سختی کا عالم کیا ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس قول سے لگائیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ملک الموت جب بندے کی شہ رگ دباتے ہیں، تو اس کی عقل و ہوش منقطع ہو جاتے ہیں اور بات چیت بند ہو جاتی ہے اور آدمی دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے، اگر اسے موت کی سختی کی وجہ سے یہ کیفیت نہ ہوتی، تو وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو اس پریشانی کی وجہ سے تلوار سے قتل کر دیتا۔ (۱)

علامہ غزالی رحمہ اللہ نے ”إحياء العلوم“ میں اور علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ نے ”العاقبة في ذكر الموت“ میں لکھا ہے کہ:

بعض عارفینِ حق نے فرمایا ہے کہ جب انسان کے سامنے ملک الموت حضرت عزرائیل عليه السلام ظاہر ہوتے ہیں، تو وہ مرنے والے کو یہ بتا دیتے ہیں کہ بس تیری عمر میں سے ایک گھڑی باقی ہے اور اس میں کوئی ایک پلک جھپکنے کی دیر بھی تاخیر اور ڈھیل نہیں ہو سکتی۔ پس بندے پر اس وقت میں اتنا اور ایسا افسوس اور حسرت چھا جاتی ہے کہ اگر اس کے پاس دنیا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ موجود ہو، تو اس کو بھی دے کر اپنی زندگی میں ایک گھڑی بڑھا لینے کی کوشش کرے گا؛ تا کہ اس میں وہ توبہ و استغفار کر کے اپنی کوتاہیوں کا تدارک کر لے، مگر بے سود ہوگا، وہ ملک الموت سے عرض کرے گا کہ اس کو ایک دن یا کم از کم ایک گھڑی مہلت دی جائے۔ ملک الموت اس کو جواب دیں گے کہ تیرے ایام اور تیری گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں، پھر اس پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اور اس کی روح حلق میں غرغر کرے گی اور وہ مایوسی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کا ایمان بھی متزلزل ہو جائے گا۔ پس اگر اس کی نصیب میں

حَسَنِ خَاتِمَہ

حسن انجام ہوگا، تو اللہ اس کو ایمان پر موت دیں گے اور اگر اس کی نصیب میں سوئے انجام ہے، تو کفر پر موت ہو جائے گی۔ اللہم احفظنا من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا۔ (۱)

موت کے وقت شیطان لعین کے انسان پر حملے

خاتمے کا مسئلہ پریشان کن اور قابل حیرت اس لیے بھی ہو جاتا ہے کہ موت کے وقت شیطان لعین کی جانب سے بڑی کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ مؤمن کو بے ایمان بنا کر دنیا سے رخصت کرے اور وہ ایمان اور خیر کے بجائے کفر اور شرک پر مرے اور اس کی عاقبت و انجام برا ہو جائے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”مرنے والے کے سامنے شیطان آ کر اس کے دین و دنیا؛ دونوں کے لحاظ سے اس کو تکلیف دیتا ہے۔ پھر ایک حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ ابلیس ابن آدم پر سب سے زیادہ سخت موت کے وقت ہوتا ہے، وہ اپنے مددگار شیطانوں سے کہتا ہے کہ ”ذُونُكُمْ وَهُ، فَإِنَّهُ إِنْ فَاتَكُمْ الْيَوْمَ لَمْ تَلْحَقُوهُ.“ (اس کو کسی طرح گھیر لو؛ کیوں کہ آج اگر تم سے چھوٹ گیا؛ تو پھر تم اس کو نہ پاسکو گے) پس کبھی وہ انسان پر مسلط ہو جاتا ہے اور اس کے ایمان و عقیدے میں اس کو گمراہ کرتا ہے اور بسا اوقات برائی سے نکلنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ”تجھ پر تو سکرانِ موت طاری ہیں، جن کی پہاڑ بھی طاقت نہیں رکھتے اور نزع کی سخت حالت طاری ہے اور تیرا رب تو تجھ پر نرمی کرتا تھا، تو اب اس مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اور تو تیری

(۱) إحياء العلوم: ۱۲/۴، العاقبة في ذكر الموت: ۱۱

محبوب چیزوں سے جدا ہو جائے گا اور تیرا یہ بدن تو گل سڑ جائے گا، پھر کیا معلوم کہ کہاں تیرا ٹھکانہ ہوگا؛ پس ان وساوس کی وجہ سے آدمی پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور بسا اوقات اللہ کی تقدیر پر اسے اعتراض پیدا ہو جاتا ہے۔“ (۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے ”الدُّرَّةُ الْفَاخِرَةُ فِي كَشْفِ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ“ میں اور امام قرطبی نے ”التَّذَكُّرَةُ فِي أَحْوَالِ الْمَوْتِ وَأُمُورِ الْآخِرَةِ“ میں نقل کیا ہے کہ ”جب بندہ مرنے کے حال میں ہوتا ہے، تو اس کے پاس دو شیطان آ کر بیٹھ جاتے ہیں، ایک اس کے داہنی جانب اور دوسرا بائیں جانب اور داہنی جانب والا شیطان، اس کے باپ کی شکل پر اور دوسرا شیطان ماں کی صورت پر ہوتا ہے اور داہنی جانب کا شیطان باپ کی طرح اس سے کہتا ہے کہ بیٹا! میں تو تیرے اوپر بڑا شفیق و مہربان تھا اور تجھ سے محبت کرتا تھا، لہذا تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ عیسائی دین پر مرنا؛ کیوں کہ وہی سب سے بہتر دین ہے اور دوسری جانب کا شیطان ماں کی طرح اس سے کہتا ہے کہ بیٹا! میرا پیٹ تیرا ٹھکانا تھا اور میری چھاتی تیرے لیے مشکیزے کی طرح دودھ کا برتن تھی اور میری رانیں تیرے لیے نرم بستر تھیں؛ لیکن اب میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تو یہودیوں کے دین پر مرنا؛ کیوں کہ وہی سب سے بہترین دین ہے۔“ (۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”جب مرنے والے کے حلق میں روح اُٹتی ہے، تو اس وقت اس پر فتنے پیش آتے ہیں اور وہ یہ کہ ابلیس اپنے مددگاروں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہے اور وہ اس حال میں اس کے پاس آتے ہیں اور اس کے مرحوم قریبی

(۱) الثبات عند الممات: ۵۷

(۲) الدرة الفاخرة مندرجہ رسائل الغزالي: ۵۵۱-۵۵۰، التذكرة للقرطبي: ۱۸۵

رشتہ داروں: جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست و احباب، وغیرہ میں سے جو دنیا میں اس کے ساتھ خیر خواہی کرتے تھے، ان کی صورت میں ظاہر ہو کر کہتے ہیں کہ اے فلاں! تو اب مر رہا ہے اور ہم تو تجھ سے پہلے دنیا سے جا چکے ہیں؛ لہذا تو یہودی ہو کر مرنا؛ کیوں کہ وہی دین اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہے۔ اگر وہ مرنے والا اس کا انکار کرتا ہے، تو وہ شیاطین چلے جاتے ہیں اور دوسرے شیاطین آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو عیسائی ہو کر مرنا؛ کیوں کہ یہ عیسیٰ کا دین ہے، جس نے موسیٰ کے دین کو منسوخ کر دیا تھا اور اس کے سامنے اس دین کے عقائد پیش کرتے ہیں۔ اس وقت اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھنا اور ہدایت پر قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی رحمت آتی ہے (یا حضرت جبریل آتے ہیں) اور شیطان کو وہاں سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر دیتے ہیں، اس وقت مرنے والا لامحالہ مسکرا دیتا ہے۔ حضرت جبریل اس سے کہتے ہیں کہ کیا تو نے مجھے پہچانا؟ میں جبریل ہوں اور یہ سب شیاطین تیرے دشمن تھے، یہ وقت مرنے والے کے لیے نہایت خوشی و فرحت کا ہوتا ہے۔ (۱)

ظاہر ہے کہ اس خطرناک صورتِ حال میں ایک مؤمن کو کس قدر بے چینی ہوگی؟ اسی لیے جب تک اس کشمکش سے آزاد ہو کر ایک مؤمن اپنے ایمان کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر نہیں ہو جاتا، اس وقت تک وہ مطمئن نہیں ہو سکتا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، تو ان کے صاحب زادے: امام عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور پھر جب ہوش بہ حال

حُسنِ خاتمہ

ہوتے، تو وہ بار بار فرما رہے تھے کہ ”لَا بَعْدُ، لَا بَعْدُ“ (ابھی نہیں، ابھی نہیں) صاحب زادہ امام عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اباجی! آپ کیا دیکھ رہے ہیں اور کس کو فرما رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ”شیطان میرے بازو کھڑا ہے اور اپنی انگلی دانتوں سے کاٹے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے احمد! تو مجھ سے چھوٹ کر نکل گیا اور میں اس سے کہہ رہا تھا کہ ابھی نہیں بچا، ابھی نہیں بچا۔“ (۱)

مؤمن کے لیے ایک عظیم بشارت

مگر یہاں یہ بھی اچھی طرح سنتے چلیں کہ شیطان لعین کی جانب سے موت کے وقت بہکانے اور گمراہی کی جانب لے جانے کی کوششوں کو سن کر اور پڑھ کر مؤمن کو مایوسی کا شکار نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ شیطانی کارروائی تو اپنی جگہ ہے اور فکر مندی کی بات بھی ہے؛ مگر یاد رکھیں کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں؛ بل کہ اس دن اس کے مقابلے کے لیے تیار ہونے اور تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور جو لوگ یہ تیاری کرتے ہیں، ان مؤمنوں کے لیے ایک عظیم بشارت حدیث میں آئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر مؤمن کی مدد بھی اللہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔ یہ سننے سے ایک مؤمن کو تسلی ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کے حملے کی بات سن کر اور پڑھ کر جو پریشان ہوتا ہے، اس سے کچھ سکون و قرار پاتا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُنْصِي شَيَاطِينَهُ، كَمَا يُنْصِي أَحَدُكُمْ بَعِيرَهُ

فِي السَّفَرِ. » (۲)

(بلاشبہ مؤمن اپنے شیطان کو اس طرح کمزور و دبلا کر دیتا ہے، جیسے

سفر میں کوئی اپنے اونٹ کو کمزور کر دیتا ہے۔)

(۱) التذكرة للقرطبي: ۳۸/۱، الثبات عند الممات: ۱۶۰

(۲) مسند أحمد: ۸۹۲، الجامع المسند: ۱۵۱۲۳، غاية المقصد في زوائد المسند: ۱۳۶/۱

علامہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”الثبت عند الممات“ میں اسی حوالے سے لکھا ہے کہ
 ”فَيَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ تِلْكَ السَّاعَةَ هِيَ مَصْدُوقَةٌ
 لِلْحَرْبِ، وَحِينَ يَحْمَى الْوَطَنُ، فَيَنْبَغِي أَنْ يَتَجَلَّدَ وَيُسْتَعِينَ
 بِاللَّهِ عَلَى الْعَدُوِّ، وَلْيَرْجِعْ عَنْهُ خَائِبًا.“ (۱)

(مؤمن کو چاہیے کہ وہ اس بات کو جان لے کہ یہ موت کی گھڑی وہی
 ہے، جو شیطان سے جنگ کا مصداق ہے اور جس وقت کہ مقابلہ بڑا اگر ما گرم
 ہوگا؛ لہذا وہ اس کے مقابلے میں سخت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اس
 دشمن کے مقابلے میں مدد مانگے اور اس کو ناکام واپس لوٹا دے۔)
 اس کے بعد انھوں نے وہی اوپر والی حدیث پیش کی ہے؛ تاکہ معلوم ہو کہ مؤمن اگر
 تیاری کر کے گیا ہے، تو اللہ اس کی مدد کرے گا اور وہ شیطان کو کمزور کر کے رکھ دے گا۔

مولانا نعیم دیوبندی رحمہ اللہ کا شیطان سے موت کے وقت مقابلہ
 یہاں ایک عبرت انگیز واقعے کا ذکر مناسب ہوگا، وہ یہ کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
 صاحب رحمہ اللہ کے ایک عزیز اور دوست: مولانا نعیم دیوبندی تھے، جو دارالعلوم دیوبند کے
 فاضل اور نہایت متقی و صاحب علم و عمل تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے موت کے وقت
 شیطان سے ان کے مقابلے کا آنکھوں دیکھا جو حال لکھا ہے، وہ نہایت عبرت خیز ہے۔

وہ یہ کہ مولانا نعیم دیوبندی رحمہ اللہ جن کی صحت کم عمری میں ہی خراب
 ہو گئی تھی، جب ان کے نزع کا وقت ہوا، تو جو لوگ ان کے قریب تھے،
 انھوں نے محسوس کیا کہ وہ کسی سے بات چیت کر رہے ہیں، اس سے انھوں
 نے سمجھا کہ وہ یوں ہی ہڈیاں بک رہے ہیں؛ مگر جب حضرت مفتی محمد شفیع
 صاحب رحمہ اللہ ان کے پاس مغرب کے بعد پہنچے، تو انھوں نے حضرت مفتی
 صاحب کو پہچانا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ دو اور دعا پڑھو اور کہا کہ

حضرت میاں صاحب یعنی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کو میرا سلام کہہ دینا۔“

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”اس کے فوری بعد ان کا شیطان سے مناظرہ شروع ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک یہ سلسلہ احقر کی موجودگی میں جاری رہا۔ اس سلسلے میں مجھے خطاب کر کے کہا کہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ حاضرین جسے ہدیان سمجھ رہے تھے، وہ ہدیان نہیں؛ بل کہ اس مردود کے ساتھ خطاب تھا۔ مرحوم کی ہمشیرہ پاس موجود تھی اور دوسرے بہت سے مرد و عورت جو پاس تھے، ان کا بیان ہے کہ مغرب سے کچھ دیر پہلے سے اول وصیت کی، پھر بہت گڑگڑا کر تضرع و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ”اے میرے پروردگار! میں بہت بد عمل اور سیاہ کار ہوں، ساری عمر معاصی و غفلتوں میں گزاری ہے، میں تجھے کس طرح منہ دکھاؤں؟ لیکن تیرا ہی ارشاد ہے ”سَبَقْتُ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي“، اس لیے میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ یہ تضرع و زاری کی دعا، اس شان سے ہوئی کہ عام حاضرین پر رقت طاری تھی۔ دعا کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ بہ آواز بلند کہا: مردود تجھے بتلاؤں گا، کہ تو مجھے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کس طرح کرنا چاہتا ہے؟ میں بھی مایوس نہیں ہوں گا۔ مجھے اس کی رحمت سے بڑی امیدیں ہیں، اس کی رحمت کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔ تو ایک موٹی کتاب لے کر اس وقت مجھے بہکانے آیا ہے، تجھے اس لیے یہ جرأت ہوئی کہ سترہ روز سے مسجد نہیں گیا؛ مگر میری یہ غیر حاضری خدا کے حکم سے تھی۔“

اس کے بعد آیت کریمہ:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَاسْتَجِبْنَا لَهُ، وَنَجِّنُهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ تک پڑھی اور آگے ﴿وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ بار بار پڑھتے رہے اور شیطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ مردود تو یہ بھلانا چاہتا ہے اور میں اس کو نہیں بھول سکتا۔ یہ آیت مجھے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے بتلائی ہے اور مولوی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بتلائی ہے اور پھر بار بار اسی جملہ ﴿وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ کو پڑھنا شروع کیا اور کمرہ گونج اٹھا۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ باتیں تو میرے پہنچنے سے پہلے ہو چکی تھیں۔ جب میں پہنچا، تو فرمایا کہ یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے، میں نے ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ کی تلقین کی، تو بلند آواز سے اس کو پڑھا اور کہا کہ خبیث! اب تجھے بتلاؤں گا، تو مجھے کیوں بہکانے آیا ہے؟ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ میرے دل میں گڑا ہوا ہے، ”اللہ اللہ“ میری رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا، تو اس کو پڑھ کر کہا کہ آگے کیوں نہیں پڑھتے ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ منہ سے خون کی قے جاری تھی اور جب اس سے فرصت ملتی، تو کبھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ پورا پورا کلمہ بہ آواز بلند پڑھتے تھے اور کبھی ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ اور کبھی ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ اور کبھی شیطان سے خطاب کر کے کہتے کہ اس کو مارو اس کو مارو۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: اس وقت اس چھ ماہ کے مریض کی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتی لڑنے کو کھڑا ہو جائے گا۔ ایک

مرتبہ کہا کہ تو نے سمجھا ہوگا کہ یہ نازک وقت ہے، اس وقت بہکادوں گا۔ اب میرے بدن میں جرأت آگئی ہے، اب میں تجھے بتلاؤں گا۔ اس کے بعد کہا کہ یہ بہت سے آدمی ہیں، (غالباً فرشتوں کو دیکھ کر) پھر کہا کہ اب تو مجھے لے چلو۔ پھر بار بار کلمہ پڑھتے رہے اور اسی حال میں انتقال فرما گئے۔“ (۱)

لہذا مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہیے؛ بل کہ فکر مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایمان و یقین اور اعمالِ صالحہ سے تیار اور لیس ہو کر جائے اور شیطانِ رجیم کو زیر کرنے کی کوشش کرے اور دعا کا اہتمام کرے۔ اللہ مجھے اور سبھی مسلمانوں کو اس وقت شیطان کے حملے سے محفوظ رکھے اور کامیاب کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

خاتمے کا حال مخفی رکھنے میں حکمت

اس فصل کے اخیر میں ایک اہم افادہ پیش کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ خاتمے کا حال اللہ تعالیٰ نے جو بندوں سے چھپا کر رکھا ہوا ہے، اس میں متعدد حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن بطال شارح بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”خاتمے کے اعمال کو مخفی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم حکمت اور لطیف تدبیر کا رفرما ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کو اس کا علم ہو جاتا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تو اس میں تکبر اور سستی آ جاتی اور جسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا، تو اس میں کفر و طغیانی اور سرکشی اور بڑھ جاتی؛ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کا علم اپنے لیے مخصوص کیا؛ تاکہ بندے خوف و امید دونوں کے درمیان رہیں اور مطیع و فرمانبردار عجب و تکبر میں مبتلا نہ ہوں اور عاصی و نافرمان خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس میں بہت سی حکمتیں ہیں کہ اس نے انسان کے

(۱) النعیم المقیم: از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

(۲) شرح بخاری لابن بطال: ۱۰/۲۰۳

حُسنِ خاتمہ

خاتمے کا حال مخفی رکھا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ گنہگار مومن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امیدوار رہے اور مایوسی کا شکار نہ ہو اور دوسرے یہ کہ متقی مومن اپنے خاتمے کے بارے میں خوف زدہ رہے اور اپنے اعمال کو دیکھ کر فخر و غرور اور عجب و تکبر میں مبتلا ہونے سے بچے؛ کیوں کہ یہ دونوں باتیں اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہیں، نہ مایوسی ہونا چاہیے اور نہ فخر و غرور میں مبتلا ہونا چاہیے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَوْلَانَا
الْمَلِكِ الْقَدِيمِ

فصل سوم

ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کے اسباب و وسائل

یہاں پہنچ کر ایک مومن کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا، ایک قدرتی و فطری بات ہے کہ شیطان کا مقابلہ کرنے ہم کس طرح تیار ہوں اور اس کے کیا وسائل و تدابیر اختیار کریں؟ پھر یہ سوال اس لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک جانب مومن کو عقیدہ دیا گیا ہے کہ نوشتہ تقدیر میں جو ہوگا، وہ ہو کر رہتا ہے اور دوسری جانب شیطان لعین موت کے وقت اپنی مقدور بھر کوشش سے مومن کو بہکانے اور بے ایمان کر دینے کا بیڑا اٹھاتا ہے اور اس میں اپنی ذریت اور چیلوں کو بھی اپنا معاون بنا لیتا ہے، تو آخر مومن کس طرح سے خاتمہ بالخیر کا اہتمام کرے اور کن اسباب سے وہ اس راہ کو پار کرے؟

اس اہم سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں نوشتہ تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کا بھی کہ شیطان ایک انسان کے ساتھ موت کے وقت کیا کرتا اور کس طرح اس کو بہکاتا ہے، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے وسائل اور اسباب پیدا کیے ہیں اور بندہ جب ان وسائل و اسباب کو اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے اسے وہ چیز عطا کر دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بالخیر کے لیے بھی اسباب رکھے ہیں، جس طرح خاتمہ بالسوء کے کچھ اسباب ہیں؛ لہذا ایک مومن کو چاہیے کہ وہ خاتمہ بالخیر کے

حَسَنِ خَاتِمہ

حصول کے واسطے اپنی کوششوں اور جدوجہد میں ان اسباب و وسائل کو اختیار کرے؛ تاکہ اسے یہ دولتِ عظمیٰ حاصل ہو۔

ہم یہاں پہلے خاتمہ بالخیر کے لیے قرآن و سنت اور سلفِ صالحین اور اکابرِ علما کے بیان کردہ چند اہم اسباب و وسائل کا ذکر کریں گے، پھر سوئے خاتمے کے اسباب کا تذکرہ کریں گے۔ اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ سُوءِ الْعَاقِبَةِ۔

۱۔ قرآنِ کریم سے تعلق

قرآنِ کریم سے تعلق و محبت ان اسباب میں سے ایک ہے، جن سے مؤمن کو دنیا اور آخرت دونوں میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

اس کا ذکر ﴿سُورَةُ النِّحْلِ﴾ کی اس آیتِ کریمہ میں ملتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ
آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾

(کہہ دیجیے کہ قرآن کو روح القدس (یعنی جبریل) نے آپ کے

پروردگار کی جانب سے حق کے ساتھ اتارا ہے؛ تاکہ ایمان والوں کو ثابت

قدم رکھے اور اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو۔)

اس آیت میں غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو اہل ایمان کے لیے ثابت قدمی کا

ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں ثابت قدمی سے جہاں دنیا کے مختلف احوال

و کوائف میں ثابت قدمی مراد ہے، اسی طرح موت کے وقت بھی مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ

آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے شغف و تعلق رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو

موت کے وقت بھی ایمان پر ثابت قدمی سے نوازیں گے۔

اور قرآن سے تعلق کی کئی صورتیں ہیں:

• ایک یہ کہ اس کی عظمت کی جائے۔

• دوسرے یہ کہ اس سے محبت کی جائے۔

- تیسرے یہ کہ اس کی تلاوت کی جائے۔
- چوتھے یہ کہ اس میں غور و فکر اور تدبر کیا جائے۔
- پانچویں یہ کہ اس پر عمل کیا جائے۔
- چھٹے یہ کہ اس کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔

اور یہاں تعلق سے یہ سب باتیں مراد ہیں؛ لہذا جو شخص اپنی زندگی میں قرآن کریم سے اس طرح کا تعلق رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو موت کے وقت ثابت قدم رکھیں گے اور خاتمہ بالخیر اس کو نصیب ہوگا۔

۲- اعمال و عبادات کی مخلصانہ پابندی

خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ اعمال و عبادات کی پابندی کی جائے اور پورے اخلاص کے ساتھ ان کو بجالائے اور یہ پابندی تمام احکامات و تعلیمات اسلام کو شامل ہے؛ لہذا جو آدمی اپنی زندگی کو اعمال و عبادات سے معمور رکھے گا، امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے خاتمہ بالخیر کی دولت سے مالا مال کریں گے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ﴿سُورَةُ اِيْمَانٍ﴾ میں ہے کہ

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ فَلَا يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس قولِ ثابت کی وجہ سے ثابت قدم رکھتا ہے، اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں خود حضرت رسالت مآب ﷺ سے مروی ہے اور متعدد صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس میں ”دنیا کی زندگی“ سے یہی دنیا کی زندگی اور ”آخرت“ سے مراد ”قبر کی زندگی“ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آخرت میں ثابت قدم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں منکر و نکیر کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدمی سے

نوازیں گے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ نیکی و طاعت، خیر و صلاح پر قائم ہوتا ہے، اس کو قبر میں بھی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتے ہیں۔ جب قبر میں اسے یہ بات حاصل ہوگی؛ تو ظاہر ہے کہ موت کے وقت توبہ درجہ اولیٰ اس کو یہ بات حاصل ہوگی۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ﴿سُورَةُ النَّسَاءِ﴾ میں ارشادِ ربانی ہے کہ
﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ
تَثْبِيٓتًا، وَإِذَا لَأَتَيْنَهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا، وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا﴾

(اور اگر یہ لوگ ان باتوں پر عمل کریں، جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے، تو یہ ان کے حق میں بہتر اور خوب ثابت قدمی کا سبب ہوتا اور اس وقت ہم ضرور ان کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے اور انھیں سیدھی راہ دکھا دیتے۔)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعمالِ خیر کا اختیار کرنا اور اپنی زندگی کو ان سے معمور رکھنا ثابت قدمی کا سبب ہے؛ لہذا جو لوگ دینی اعمال کو پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، ان کو موت کے وقت بھی ثابت قدمی سے نوازا جاتا ہے۔

۳- ذکر اللہ کا اہتمام

دنیا کے مختلف احوال میں ثابت قدمی اور یہاں سے کوچ کے وقت خاتمہ بالخیر کے وسائل میں سے ایک بڑا سبب ذکر اللہ کا اہتمام ہے۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ کا ذکر نہایت ہی قیمتی چیز ہے اور اس کے فضائل و برکات اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

ان برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے دل مطمئن ہوتا ہے، جیسا کہ ﴿سُورَةُ
الرَّحْمٰنِ﴾ میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) تفسیر الطبری ۶۰۰/۱۶-۶۰۳، تفسیر ابن کثیر: ۵۰۸/۴۹۴/۴

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ، الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ
وَحُسْنُ مَأْبٍ﴾

(جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے،
خبردار کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے، جو لوگ ایمان لائے اور
نیک اعمال انجام دیتے رہے، ان کے لیے خوش خبری اور بہترین ٹھکانا ہے۔)
اس سے ذکر اللہ کی عجیب برکت معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے سکون و قرارِ قلب اور
بندے کو جب دل میں سکون و قرار آ جاتا ہے، تو اس کو ثابت قدمی کی دولت مل جاتی ہے؛
لہذا جو لوگ ذکر اللہ کے عادی ہوتے ہیں، وہ موت کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور
ایسے ہی نفوس کو انفاس مطمئنہ کہا جاتا ہے، جن کے بارے میں قرآن کریم ایک اور موقع پر
﴿سُورَةُ الْفَجْرِ﴾ میں فرماتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے موت کے وقت اللہ کے فرشتے کہتے ہیں کہ
﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنِّةُ، ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبْدِي، وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾۔
(اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی جانب اس حال میں لوٹ جا کہ توب
سے راضی اور رب تجھ سے راضی ہے، پس میرے بندوں میں شامل اور
میری جنت میں داخل ہو جا۔)

یہ آیت بھی بتا رہی ہے کہ صاحبِ نفس مطمئنہ موت کے وقت ثابت قدم رہتا ہے اور
اس کا خاتمہ خیر پر ہوتا ہے اور اس کو اسی وقت جنت کی خوش خبری بھی سنادی جاتی ہے۔

۴۔ التزام تقویٰ

تقویٰ و ورع بھی ان اسباب میں سے ہے، جن سے بندہ مؤمن خاتمہ بالخیر کی
دولت سے نوازا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک
انجام تو متقی لوگوں کے لیے طے ہے۔

ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ

﴿إِنَّ الْعُقَبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [هُؤُلَاءِ: ۴۹]

(نیک انجام تو متقی لوگوں کے لیے ہے۔)

ایک اور مقام پر ان الفاظ کے ساتھ اس حقیقت کو پیش کیا گیا ہے کہ

﴿وَالْعُقَبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ [ظَلَمَ: ۱۳۲]

(اور نیک انجام تقوے کا ہوتا ہے۔)

تقویٰ ایک ایسی صفتِ حسنہ ہے، جس سے بندہ مؤمن اللہ کی خوشنودی پانے کے لیے ایک جانب فرائض و واجبات کا اہتمام کرتا ہے، تو دوسری جانب محرمات و برائیوں سے اجتناب کا التزام کرتا ہے، پھر اس کے متعدد درجات ہیں، جن میں بعض بعض سے بڑھے ہوئے ہیں۔

ان آیات میں تقوے کا ایک ثمرہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے حسن انجام نصیب ہوتا ہے اور یہ حسن انجام دنیا کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی، دنیا کے لحاظ سے اس طرح کہ متقی لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار و فساق کے مقابلے میں کامیابی عطا کرتے ہیں اور آخرت کے لحاظ سے اس طور پر کہ متقی لوگوں کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جسے آخرت میں حسن انجام نصیب ہوگا اور وہ وہاں کی نعمتوں اور راحتوں سے متمتع ہوگا، تو اس کا خاتمہ بالآخر ہونا یقینی بات ہوگی؛ لہذا معلوم ہوا کہ تقوے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ عطا فرماتے ہیں۔

۵۔ اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت

ایک اہم سبب خاتمہ بالآخر کا یہ ہے کہ اہل اللہ اور نیک و صالح لوگوں کی صحبت و معیت حاصل ہو جائے؛ کیوں کہ اہل اللہ کی محبت و عقیدت اور نیکوں کی صحبت و معیت انسان کے اندر نیکی و صلاح کا عنصر پیدا کر دیتی ہے؛ اسی لیے احادیث میں بھی اس کا سبق دیا گیا ہے

اور اہل اللہ کی کتابوں میں بھی اس کا بڑی اہمیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”اللہ کے فرشتے زمین پر اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کو تلاش کرتے

ہیں اور جب ان کو پاتے ہیں، تو انہیں اپنے پروں میں چھپاتے ہوئے

آسمانِ دنیا تک پھیل جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ

میرے یہ بندے کیا کر رہے ہیں؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ وہ لوگ آپ کی حمد

و ستائش اور تسبیح و تکبیر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے

دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ

مجھے دیکھ لیں، تو کیا کریں گے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر یہ آپ کو دیکھ لیں، تو

اس سے زیادہ عبادت و طاعت اور تحمید و تسبیح کریں گے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ

وہ کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں، تو کیا کریں گے؟ فرشتے کہتے

ہیں کہ اگر دیکھ لیتے، تو اس سے زیادہ اس کی حرص و طلب کرتے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں کہ وہ جہنم سے

پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ کہتے

ہیں کہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر دیکھ لیتے تو؟ وہ کہتے ہیں کہ دیکھ لیتے، تو اس

سے زیادہ اس سے بھاگتے اور دور ہونے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی۔ ایک

فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! ایک شخص ان میں داخل نہیں تھا، وہ تو اپنی کسی

ضرورت سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ“ (۱)

(یہ لوگ وہ ہیں، جن کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں ہیں۔)

اس حدیث میں صالحین کی صحبت و معیت پانے والوں کی فضیلت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نامراد نہیں رہتے؛ بل کہ وہ ضرور کامیابی کی منزل پا جاتے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

”وَفِيهِ أَنَّ الصُّحْبَةَ لَهَا تَأْثِيرٌ عَظِيمٌ، وَأَنَّ جُلَسَاءَ

السُّعْدَاءِ سُعْدَاءٌ، وَالتَّحْرِيطُ عَلَى صُحْبَةِ أَهْلِ الْخَيْرِ وَ

الصَّلَاحِ.“ (۲)

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت کی ایک عظیم تاثیر ہے اور سعید

لوگوں کی صحبت پانے والے بھی نیک بخت ہوتے ہیں اور اس میں نیک

لوگوں کی صحبت اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے۔)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا اس سلسلے میں ایک اہم ملفوظ ہے، وہ یہ کہ آپ

فرماتے ہیں:

”حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب رحمہ اللہ کے سلسلے کی برکت یہ ہے

کہ جو بلا واسطہ یا بواسطہ حضرت سے بیعت ہوا ہو؛ اس کا بفضلہ تعالیٰ خاتمہ

بہت اچھا ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض متوسلین گومرید ہونے کے بعد دنیا

دار ہی رہے؛ لیکن ان کا بھی خاتمہ بفضلہ تعالیٰ اولیاء اللہ کا سا ہوا۔“ (۳)

(۱) صحیح البخاری: ۶۴۰۹، صحیح مسلم: ۷۰۱۵، مسند أحمد: ۸۹۶۰، صحیح

ابن حبان: ۸۵۷، مسند البزار: ۹۱۴۷، مسند الطیالسی: ۲۵۵۶

(۲) عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۲۲/۲۳

(۳) ملفوظات حکیم الامت: ۱۶۶/۲۲

الغرض نیک و صالح لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے محروم نہیں کرتے، تو جو ان کے ساتھ مصاحبت اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی محروم نہیں رکھتے؛ حضرت تھانوی کے اس قول کا یہی ماحصل ہے؛ لہذا ان حضرات اہل اللہ کی برکت سے ان کو بھی خاتمہ بالخیر نصیب ہوتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ کی وفات کا حیرت انگیز واقعہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر علما نے ایک عالم کی موت کا عجیب قصہ لکھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ قصہ مشہور زمانہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا ہے، جو بہت بڑے عالم اور قرآن کریم کے عظیم مفسر ہیں اور مختلف علوم و فنون کے ماہر امام تھے اور بالخصوص فنِ فلسفہ و منطق ان کا خاص موضوع تھا۔ قصہ یہ ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ کو ایک بار اس طرف توجہ ہوئی کہ کسی اللہ والے سے رابطہ رکھنا اور اپنے قلب کی دنیا کو معرفتِ الہیہ کے نور سے منور و معمور کرنا چاہیے؛ لہذا آپ نے اپنے زمانے کے شیخ الشیوخ قدوة الاولیاء: حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کا انتخاب کیا اور ان سے جا کر بیعت ہو گئے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ نے ان کو ذکر کی تلقین کی اور کچھ وظائف پڑھنے کو دیے۔ جب امام رازی نے ذکر و شغل کا سلسلہ جاری کیا، تو ان کو محسوس ہوا کہ کوئی چیز دھویں کی شکل میں اندر سے نکل رہی ہے۔ شیخ سے جا کر حال سنایا؛ تو شیخ نے کہا کہ یہ دراصل تمہارا فلسفہ و منطق کا علم ہے، جو ذکر کی برکت سے جل کر باہر نکل رہا ہے۔ یہ سن کر امام رازی گھبرا گئے اور ان کو گوارا نہ ہوا کہ اس قدر محنتِ شاقہ سے حاصل کیا ہوا یہ علم میرے اندر سے نکل جائے؛ لہذا ذکر و شغل چھوڑ دیا اور شیخ کے پاس سے چلے گئے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صحبتِ شیخ کا نفع خاتمہ بالخیر کی صورت میں عطا فرمایا، وہ اس طرح کہ جب امام رازی کی موت کا وقت آیا؛ تو شیطان لعین ان کے پاس مناظرہ کرنے اور ایمان سے برگشتہ کرنے آ گیا اور توحید کے مسئلے پر مناظرہ شروع کر دیا۔ امام رازی جو کہ بڑے فلسفی و منطقی تھے، ان کے پاس توحید باری پر ایک سودا لعلِ عقلیہ

کا ذخیرہ تھا اور امام رازی کو اپنے ان عقلی و فلسفیانہ دلائل پر بڑا ناز تھا اور خیال یہ تھا کہ یہ ایسے مضبوط دلائل ہیں کہ کوئی ان کو توڑ نہ سکے گا؛ لہذا امام رازی شیطان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک ایک کر کے دلیلیں بیان کرنے لگے؛ مگر شیطان ان کے عقلی دلائل کے تار و پود بکھیرتا چلا گیا اور ان کے کسی نہ کسی مقدمے کو کمزور کرنے لگا؛ یہاں تک کہ امام رازی کی وہ ساری دلیلیں یکے بعد دیگرے ٹوٹی چلی گئیں۔

پھر وہ ان کے دل میں شبہ ڈالنے لگا کہ جب توحید جو کہ اصل الاصول ہے، وہی تمھاری کمزور ہے، تو خود ہی غور کر لو کہ دیگر امور اسلام کا کیا حال ہوگا؟ اور قریب تھا کہ امام رازی کے دل میں اصول اسلام کی حقانیت میں شبہ یا تذبذب پیدا ہو جاتا، اتنے میں امام رازی کے شیخ امام نجم الدین کبریٰ جو کہ ان سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر تھے، اپنے گھر میں وضو کر رہے تھے، ان کو مکشوف ہوا کہ امام رازی کے اوپر یہ مصیبت نازل ہے اور شیطان ان کو عقلی دلائل سے زیر کر رہا ہے، تو آپ نے وضو کا پانی ہاتھ میں لیا اور اسی جانب کو پھینکا، جدھر امام رازی کا علاقہ تھا اور زور سے کہا کہ رازی! یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مجھے قرآن و حدیث کے دلائل کافی ہیں، ان عقلی دلائل کی ضرورت نہیں؛ لہذا میں اللہ تعالیٰ کو بے دلیل ایک مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آواز اور وہ پانی؛ دونوں امام رازی تک پہنچا دئے، پانی کے چھینٹے منہ پر پڑے اور کان میں آواز آئی اور یہ سننا تھا کہ ان کی زبان پر یہ جاری ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بے دلیل ایک مانتا ہوں۔ بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہو گئی اور ایمان پر موت واقع ہو گئی۔ (۱)

۶۔ حسن انجام کے لیے دعا کا اہتمام

خاتمہ بالخیر اور حسن انجام کے لیے ایک تدبیر اور وسیلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے الحاج و زاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے اہم وسیلہ ہے؛ کیوں کہ دعا سے اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے اور وہی اپنی رحمت سے عطا کر دے، تو

(۱) دیکھو: خطبات حکیم الامت: ۱۲/۱۳، خطبات فقیر: ۱۱۹/۹

حَسَنِ خَاتِمَہ

یہ دولت مل سکتی ہے اور اگر اللہ نہ دے، تو کوئی ہمیں یہ دولت نہیں دے سکتا۔
 اسی لیے قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے خاتمہ
 بالخیر کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں اوپر ہم نے حضرت سیدنا یوسف
 عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا نقل کی ہے۔

اسی طرح احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ بھی اللہ
 تعالیٰ سے برابر اس کی دعا مانگتے تھے۔
 حسنِ خاتمہ کے لیے درج ذیل دعاؤں کا اہتمام کرنا مناسب ہوگا، جو احادیث میں
 وارد ہوئی ہیں۔

- (۱) ایک دعا یہ ہے، جو اوپر پیش کر دی گئی ہے:
 ”يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ.“
 (اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو دین پر جمادے۔)
 (۲) یہ دعا بھی اوپر گزر چکی ہے:
 ”اللَّهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأُخِينَا مُسْلِمِينَ، وَالْحَقْنَا
 بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ.“
 (اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی
 حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال
 میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ ہم کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)

- (۳) ایک دعا ان الفاظ سے مروی ہے:
 ”اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ
 الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ.“ (۱)
 (اے اللہ! تمام امور میں ہمیں حسنِ انجام عطا فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی

(۱) مسند احمد: ۱/۷۶۵، المستدرک للحاکم: ۶۵۰۸، المعجم الكبير
 للطبراني: ۱۱۸۳، الدعاء للطبراني: ۱۳۳۶، الدعوات الكبير للبيهقي: ۲۳۸

اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔)

(۴) اس سلسلے کی ایک دعایہ ہے کہ

”أَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ.“ (۱)

(اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ شیطان موت

کے وقت مجھے خبطی و دیوانہ بنا دے۔)

(۵) حضرت نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث میں یہ منقول ہے کہ آپ یہ دعا کیا

کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عَيْشَةً نَقِيَّةً، وَمَمِيتَةً سَوِيَّةً، وَمَرَدًّا غَيْرَ

مُخْزٍ، وَلَا فَاضِحٍ.“ (۲)

(اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں پاکیزہ زندگی اور اچھی موت

اور ایسے ٹھکانے کا جہاں ذلت و رسوائی نہ ہو۔)

یہ چند اہم دعائیں ہیں، جو احادیثِ نبویہ میں وارد اور ثابت ہیں، ان کا اہتمام کرنے

سے حسنِ خاتمے کی امید ہے، لہذا اپنی دعاؤں میں اور خاص طور پر نمازوں کے بعد کی

دعاؤں میں ان کو شامل کر لیں۔

حسنِ خاتمے کی دعا پر شیطان کا حال

جب خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کے اہتمام کا ذکر آیا، تو اس موقع پر یہ ذکر کر دینا مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

”بعض اہل کشف نے بیان کیا کہ شیطان عرفات کے میدان میں

ان کے سامنے آیا، دیکھا تو اس کا جسم کمزور اور رنگ زرد، کمر جھکی ہوئی اور

(۱) سنن أبي داود: ۱۵۵۴، سنن النسائي: ۵۵۳۱، مسند أحمد: ۱۵۵۶۲،

المستدرک للحاکم: ۹۲۸، المعجم الكبير للطبراني: ۱۵۷۱۳

(۲) المستدرک للحاکم: ۱۹۸۶، الدعوات الكبير للبيهقي: ۱۹۶

آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ان بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ کہنے لگا کہ اس لیے کہ لوگ تجارت کی غرض کے بغیر صرف حج کے لیے چلے ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے وہ گھائے میں نہ پڑیں اور مجھے اس کی وجہ سے غم ہوا۔ ان بزرگ نے اس سے کہا کہ تیرا جسم نحیف و کمزور کیوں ہو گیا ہے؟ کہنے لگا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں گھوڑوں کی آواز سنائی دے رہی ہے، اگر یہ گھوڑے (اللہ کے راستے کے بجائے) میرے راستے میں ہوتے تو مجھے اچھا لگتا۔ انھوں نے پوچھا کہ پھر تیرا رنگ کیوں زرد ہو گیا ہے؟ کہا کہ لوگوں کا نیک کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا اس کی وجہ ہے، اگر یہ لوگ گناہوں پر ایک دوسرے کا تعاون کرتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ ان بزرگ نے کہا کہ تیری کمر کیوں جھک گئی ہے؟ کہا کہ بندے کی یہ دعا ”اے اللہ میرا خاتمہ بالخیر فرما“ اس نے میری کمر توڑ دی ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کا اہتمام شیطان کی کمر توڑ دیتا ہے، لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۶۔ اہل اللہ سے حسن خاتمے کی دعا کرانے کا اہتمام

ایک اہتمام یہ بھی ہونا چاہیے کہ اہل اللہ سے اور نیک لوگوں سے حسن خاتمے کے لیے دعا کرائی جائے، معلوم نہیں کہ کس کی دعا قبول ہو جائے اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔ چنانچہ بعض اکابر علماء و مشائخ سے ان کا یہ معمول نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے اہل اللہ سے اس کے لیے دعا کرایا کرتے تھے، جیسے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت ابو جعفر رزای رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کبھی کبھی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی خدمت میں تشریف لے جاتے اور ان سے درخواست کرتے کہ اے ابراہیم! آپ میرے حق میں

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ توحید و ایمان پر مجھے موت عطا کرے۔ (۱)

۷۔ دین کی خدمت و نصرت

دین کی خدمت و نصرت کا کام وہ عظیم کام ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثابت قدمی اور حسنِ عاقبت کا ثمرہ ملتا ہے۔

قرآن کریم میں ﴿سُورَةُ الْمُحْتَدَا﴾ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔)

اس آیت کریمہ میں ”اللہ کی مدد“ سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے اور دین کی مدد و خدمت پر ان دینی خدام کے لیے دو ثمرات کا وعدہ ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مدد کریں گے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کو جمادیں گے اور ثابت قدمی سے ان کو نوازیں گے۔ اور یہ ثابت قدمی مطلق ہے، خواہ وہ دنیا کی زندگی کے مختلف احوال میں ہو، یا موت کے وقت ہو؛ لہذا اس سے دینی خدام کے لیے بڑی بشارت ہے کہ اللہ ان کو ثابت قدم رکھے گا اور وہ خاتمہ بالخیر سے ممتاز ہوں گے۔

دین کی خدمت بہت سی صورتوں اور شکلوں سے ہو سکتی ہے: تعلیم دین کی صورت سے ہو، یا تبلیغ دین کی شکل سے ہو، یا جہاد کے ذریعے ہو، یا وعظ و بیان کے طریق سے ہو، تصنیف و تالیف کے انداز سے ہو، یا مدارس کے قیام اور دینی تحریکات اور انجمنوں کے اجرا کے ذریعے ہو؛ یہ سب کے سب دین ہی کی خدمات کی صورتیں و شکلیں ہیں؛ لہذا کسی بھی طریقے سے اللہ کے دین کی خدمت کی جائے، اس پر اللہ کا وعدہ ہے کہ ان خدمات کے

حُسنِ خاتمہ

انجام دینے والوں کو یہ دولت نصیب ہوگی۔ ہاں! یہاں بھی ہر دینی کام کی طرح اخلاص شرط ہے؛ کیوں کہ اخلاص کے بغیر تو کوئی عمل لائق اعتبار نہیں رہتا۔

۸۔ نعمتِ ایمان پر شکر

خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیا جائے؛ کیوں کہ نعمت پر شکر گزاری اس کے بقا و تحفظ اور زیادتی کا سبب و وسیلہ ہے اور یہ معلوم و مسلم ہے کہ ایمان سب سے بڑی وہ نعمت ہے، جو کسی انسان کو ملتی ہے۔

قرآن کریم میں شکرِ نعمت کا سبق بہت جگہ دیا گیا ہے اور شکر گزاروں کی تعریف بھی فرمائی گئی ہے اور اسی کے ساتھ ﴿سُورَةُ الْاٰیٰتِ﴾ میں یہ بھی ارشادِ ربانی ہے کہ ﴿وَ اِذْ تَاٰذَنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَازِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾

(اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ اگر شکر گزاری کرو گے، تو میں ضرور زیادہ کر کے دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے، تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔)

امام تفسیر علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ”الجامع لأحكام القرآن“ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

”و الآية تنص في أن الشكر سبب المزيد.“
(آیت کریمہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ شکر، زیادتی کا سبب ہے۔) (۱)

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایمان پر شکر، اس کے تحفظ و بقا کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ”خطبات“ میں فرماتے ہیں کہ ”حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو، تو ہمیشہ نعمت

ایمان پر خدا کا شکر ادا کرو؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم میرا شکر کرو گے، تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا۔ (۱)

۹- ترکِ معاصی کا اہتمام

خاتمہ بالخیر کے وسائل اور اسباب میں ایک اہم وسیلہ یہ ہے کہ گناہ و عصیان سے دور رہا جائے، اس سے نفور ہوا جائے اور اس کے ترک کا اہتمام و التزام کیا جائے؛ کیوں کہ معاصی کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا بہت بڑا سبب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ عاصی کو اس حالت سے ہٹا دیتے ہیں، جو وہ اپنے مخصوص بندوں کے لیے پسند کرتے ہیں؛ لہذا معاصی پر اصرار و استمرار سے سوئے خاتمہ کا خوف اور اندیشہ ہے؛ لہذا حسنِ خاتمہ کے لیے ترکِ معاصی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر بشریت کے تقاضے سے کبھی گناہوں کا صدور ہو جائے؛ تو علی الفور ان سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی و قار میں رو کر، گڑ گڑا کر ان سے معافی طلب کی جائے، اگر توبہ سچے دل کے ساتھ ہو؛ تو اللہ تعالیٰ گناہ کو مٹا دیتے ہیں اور اپنی عنایات کا سلسلہ پھر جاری کر دیتے ہیں۔

الغرض اولاً تو تمام گناہوں اور معاصی سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر کبھی بشری تقاضے سے ہو جائے، تو فوراً توبہ و استغفار کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے، تاکہ خاتمہ بالخیر کی عظیم دولت میسر آئے۔

اس موضوع پر آگے تفصیلی کلام آنے والا ہے اور وہیں اس سلسلے میں اکابرِ علماء و مشائخ کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

یہ خاتمہ بالخیر کے چند اہم اسباب و وسائل ہیں، جو کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ اور اکابرِ امت کے بیانات و اقوال کے حوالے سے ذکر کیے گئے ہیں۔

فصل چہارم

چند اعمالِ صالحہ

جن پر حسنِ خاتِمہ کی بشارت ہے

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث میں وارد بعض ان اعمالِ صالحہ کا تذکرہ کر دیا جائے، جن پر حسنِ انجام کی بشارت سنائی گئی ہے، اگرچہ اوپر بھی اس قسم کے بعض اعمال کا ذکر ہو چکا ہے؛ مگر یہاں ان کا جمع کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

✽ اللہ و رسول کی محبت

خاتِمہ بالخیر کی بشارت جن اعمال پر سنائی گئی ہے، اس میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے ایسی محبت رکھے، جو دنیا کے تمام لوگوں اور چیزوں سے زیادہ اور غالب ہو؛ حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، بیوی، بچے، رشتے دار، دوست احباب سب سے بڑھ کر ہو۔

چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكُودُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ. » (۱)

(تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں اسے ایمان کی

(۱) صحیح البخاری: ۱۶، صحیح مسلم: ۱۷۴، سنن الترمذی: ۲۶۲۴، سنن

النسائی: ۴۹۸۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۳، مسند أحمد: ۱۲۰۲۱

حُسنِ خاتِمہ

حلاوت نصیب ہوگی: جو شخص اللہ اور رسول کو ماسوا؛ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھے اور جو شخص نیک آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور جو شخص کفر میں جانے کو اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔)

اس حدیث میں تین اعمال پر حلاوت ملنے کا ذکر ہے اور ان میں سے ایک عمل یہ کہ اللہ سے بے پناہ محبت رکھے اور تمام اشخاص اور چیزوں سے زیادہ محبت رکھے اور حلاوت کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”و قد ورد: أن حلاوة الإيمان إذا دخلت قلباً لا تخرجُ

منه أبداً، ففيه إشارة إلى بَشَارَةِ حُسْنِ الخاتمة له. (۱)

(بعض روایات میں ہے کہ ”جب ایمان کی حلاوت قلب میں داخل ہو جاتی ہے، تو پھر کبھی دل سے نہیں نکلتی“؛ لہذا اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے حسنِ خاتمہ کی جانب اشارہ موجود ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت غالبہ سے ایک مؤمن کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

اہل اللہ کی محبت

حسنِ انجام کا سبب بننے والے اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ والوں اور نیک و متقی لوگوں سے محبت رکھے۔

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی ملتی ہے:

”اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ.“ (۲)

(اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کیجیے اور ان لوگوں کی محبت بھی دیجیے

جن کی محبت آپ کے نزدیک کام آئے گی۔)

(۱) مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱۲۱/۱

(۲) سنن الترمذی: ۳۸۲۹

|| حُسنِ خاتمہ ||

قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دعا میں دو قسم کی محبتوں کا سوال کیا ہے: ایک اللہ تعالیٰ کی محبت کا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی محبت کا جن کی محبت اللہ کے نزدیک کام آنے والی ہے۔

معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی محبت اللہ کے پاس کام آئے گی اور وہ کام کیا ہے کہ نجات ملے گی یا درجات کی بلندی ہوگی؛ بہ ہر صورت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوں کی محبت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوگا اور یہ خاتمہ بالخیر کے بغیر ممکن نہیں؛ لہذا اللہ والوں کی محبت خاتمہ بالخیر کا ایک سبب ہے۔

اور ہماری اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو ابھی گزری کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں، اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی: جو شخص اللہ اور رسول کو ماسوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھے اور جو شخص نیک لوگوں سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور جو شخص کفر میں جانے کو اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

اور اوپر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس حدیث میں ان اعمالِ صالحہ پر جو حلاوتِ ایمانی کے نصیب ہونے کی بشارت ہے، اس میں اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ اس آدمی کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا؛ لہذا معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی محبت بھی ان امور میں سے ہے، جن پر حلاوتِ ایمانی نصیب ہوتی ہے اور جس کو یہ حلاوت نصیب ہوتی ہے، اسے خاتمہ بالخیر بھی نصیب ہوتا ہے۔

✽ اذان کی دعا

اذان کے بعد جو دعا وارد ہوئی ہے، اس کے اہتمام پر یہ بشارت آئی ہے کہ یہ دعا پڑھنے والا نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی؛ اس کے لیے میری شفاعت جائز ہوگئی اور وہ دعا یہ ہے:

”اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ
مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ
إِلَّا حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.“ (۱)

اس حدیث صحیح میں اذان کی دعا کا اہتمام کرنے پر نبی کریم ﷺ نے اپنی شفاعت کا وعدہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بخشا جائے گا اور اس کو خاتمہ بالخیر نصیب ہوگا، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔ (۲)

✽ درود کا اہتمام

نبی کریم ﷺ پر درود شریف پر بھی حدیث میں شفاعت کی بشارت سنائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَنْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَقَالَ: اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ
الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي. »
(جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور کہا: ”اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ
الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ تو اس کے حق میں میری شفاعت
واجب ہوگئی۔) (۳)

اس حدیث کی بعض سندوں کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی منذری اور ابن حجر رحمہ اللہ سے اس کی بعض سندوں کا حسن ہونا بیان کیا ہے۔ (۴)

(۱) صحیح البخاری: ۶۱۴، سنن أبي داود: ۵۲۹، سنن الترمذي: ۲۱۱، النسائي: ۶۸۰، ابن ماجه: ۷۲۲، أحمد: ۱۲۸۵۹، صحيح ابن خزيمة: ۴۲۰، صحيح ابن حبان: ۱۶۸۹

(۲) مرقاة المفاتيح: ۳۳۱/۲

(۳) مسند أحمد: ۴۰۳۲، مسند البزار: ۲۳۱۵، المعجم الكبير للطبراني: ۴۳۵۳

(۴) مجمع الزوائد: ۲۵۴/۱۰، مرقاة المفاتيح: ۱۸/۳

اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ درود پڑھنے پر رسول اللہ ﷺ نے شفاعت کا وعدہ کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اس درود کے پڑھنے والے کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔ (۱)

☆ صبح اور مغرب کے بعد جہنم سے خلاصی کی دعا

صحابی رسول: حضرت مسلم التمیمیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہستہ سے فرمایا کہ

”جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو کسی سے بات چیت کرنے سے پہلے سات بار یہ دعا پڑھ لو: ”اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ“ (اے اللہ! مجھے دوزخ سے نجات عطا فرما) پس اگر تم نے یہ پڑھا اور اسی رات تمہاری موت ہوگئی، تو تمہارے لیے جہنم سے خلاصی مقدر کر دی جائے گی اور جب صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اس کو اسی طرح کسی سے بات کرنے سے پہلے پڑھ لو؛ تو اگر اسی دن تمہاری موت ہوگئی؛ تو تمہارے لیے جہنم سے خلاصی مقدر ہو جائے گی۔“ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اوقات میں اس عمل سے جہنم سے خلاصی ملتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جہنم سے خلاصی اسی کو میسر ہو سکتی ہے، جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے اس شخص کے حسنِ خاتمہ کی جانب جو اس کو پڑھتا ہے۔ (۳)

(۱) مرقاة المفاتیح: ۱۸/۳

(۲) أبو داود: ۵۰۸۱، أحمد: ۱۸۰۸۳، صحيح ابن حبان: ۲۰۲۲، السنن الكبرى للنسائي: ۹۸۵۹، المعجم الكبير للطبراني: ۱۶۳۹۶، اس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ”نتائج الافکار“ میں حسن قرار دیا ہے (نتائج الافکار: ۳۲۶/۲)

(۳) مرقاة المفاتیح: ۳۰۸/۵

✽ با وضو دعا پڑھ کر سونے پر بشارت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم اپنے بستر پر آؤ، تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرو، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا پڑھو:

”اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ،
وَأَلْبَسْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا
مُنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ
وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ.“

ترجمہ: اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف کر دیا اور اپنا معاہدہ تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت پناہ بنا لیا تیری (رحمت کی) رغبت اور تیرے عذاب کے خوف کی وجہ سے اور (تیری پکڑ سے بچنے کا) تیری رحمت کے سوا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں ہے اور جو کتاب تو نے اتاری ہے اس پر میں ایمان لے آیا اور جو نبی تو نے بھیجا ہے اس پر بھی میں لے آیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو موت آئے گی؛ تو تم فطرت پر مرو گے۔ (۱)
اس حدیث میں سونے کے وقت مذکورہ دعا کے پڑھنے کا اہتمام کرنے پر فطرت پر موت ہونے کی بشارت ہے۔

بہت سے حضراتِ علمائے کرام اور شراحِ حدیث نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں ”فطرت پر موت“ سے دینِ اسلام پر موت مراد ہے۔ (۲)

لہذا وضو کر کے سونا اور سونے سے قبل یہ دعا پڑھنا بھی خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے

(۱) صحیح البخاری: ۵۳۱۳، صحیح مسلم: ۷۰۵۹، سنن أبی داؤد: ۵۰۲۸، سنن

الترمذی: ۳۳۹۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند أحمد: ۸۶۱۰

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۱، شرح ابن بطلال: ۳۶۶/۱، إكمال المعلم: ۱۰۲/۸

ایک سبب ہے۔

✽ مدینہ طیبہ میں قیام اور وہاں موت کا پانا
مدینہ الرسول - زادھا اللہ شرفاً و کرامۃ - کا قیام اور وہاں موت کا پانا بھی ایک
وجہ و سبب ہے، جس سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
”مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا؛ فَإِنِّي
أَشْفَعُ لَهُ، أَوْ أَشْهَدُ لَهُ. (۱)

(جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ مدینے میں موت پائے، تو
اس کو چاہیے کہ وہ وہاں جا کر موت پائے؛ کیوں کہ میں اس کے حق میں
شفاعت کروں گا یا میں اس کے حق میں گواہی دوں گا۔)

علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ سمہودی رحمہ اللہ کا قول
نقل کیا ہے کہ

”وَفِيهِ بُشْرَى لِّلْسَاكِنِ بِهَا بِالْمَوْتِ عَلَى الْإِسْلَامِ
لَا خِصَاصَ الشَّفَاعَةِ بِالْمُسْلِمِينَ، وَكَفَى بِهَا مَزِيَّةً، فَكُلُّ
مَنْ مَاتَ بِهَا فَهُوَ مُبَشَّرٌ بِذَلِكَ.“ (۲)

(اس حدیث میں مدینے میں رہنے والے کو اسلام پر موت ہونے کی
بشارت ہے؛ کیوں کہ شفاعت تو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، پس
مدینے کی یہ خصوصیت کافی ہے؛ لہذا ہر وہ شخص جو مدینے میں وفات پائے،
وہ اس بشارت کا مستحق ہے۔)

(۱) سنن الترمذی: ۳۹۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۲، مسند أحمد: ۵۴۳۷، ابن حبان: ۳۷۴۱،
مسند البزار: ۵۸۴۲، السنن الكبرى للنسائي: ۴۲۷۱، المعجم الكبير للطبراني: ۲۰۲۷۹
(۲) فيض القدير: ۷۶/۷۰

✽ مدینے کا قیام اور وہاں تکالیف پر صبر

متعدد احادیث میں مدینہ طیبہ میں قیام کرنے اور وہاں کی آب و ہوا اور وہاں پیش آنے والی کلفتوں پر صبر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«لَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلَى لَأَوَائِهَا، وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا، أَوْ

شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» (۱)

(کوئی بھی شخص مدینے کی بھوک و پیاس کی شدت اور اس کی تکلیف میں ثابت قدم نہیں رہے گا؛ مگر میں قیامت کے دن ضرور اس کے حق میں سفارشی اور گواہ ہوں گا۔)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں حسن انجام کی بشارت ہے۔ (۲)

✽ یتیم کی کفالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
«كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ، أَوْ لِعِزِّهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ.» (۳)
(یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں (یہ کہتے ہوئے آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو دکھایا) کی طرح قریب قریب ہوں گے۔)

(۱) صحیح مسلم: ۳۳۸۳، مسند أحمد: ۷۸۵۲، صحیح ابن حبان: ۳۷۳۹، مسند البزار: ۷۹۷۷، السنن الكبرى للنسائي: ۴۲۶۶، مسند أبي يعلى: ۵۹۴۳
(۲) مرقاة المفاتیح: ۶۲۰/۵
(۳) موطأ مالک: ۱۷۰۰، صحیح البخاری: ۶۰۰۵، صحیح مسلم: ۷۶۶۰، أبو داود: ۵۱۵۲، الترمذی: ۱۹۱۸، أحمد: ۸۸۶۸، ابن حبان: ۴۶۰

ایک حدیث میں ہے کہ

«أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - وَأَوْمًا يَزِيدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَابَةِ - امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَ جَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا ؛ حَتَّى بَانُوا أَوْ مَاتُوا.» (۱)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے گالوں کا رنگ جل گیا ہو، قیامت کے دن اس طرح ہوں گے یہ کہتے ہوئے راوی حدیث حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیچ کی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا یعنی وہ صاحب جمال اور حسب و نسب والی عورت جو اپنے شوہر کے مرنے سے بیوہ ہوگئی ہو اور اس نے اپنی یتیم اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے خود کو ان پر لگا دیا ہو؛ یہاں تک کہ وہ اولاد بڑی ہو جائے یا انتقال کر جائے۔)

مطلب یہ ہے کہ جس کا شوہر اولاد چھوڑ کر انتقال کر جائے اور اس کی بیوہ بیوی اپنی اولاد کی خاطر کسی اور سے نکاح کرنے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت میں لگی رہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ زیب و زینت اور بناؤ سنگار چھوڑ دے اور اس کا رنگ بھی جل جائے، ایسی عورت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے کہ وہ اور میں ان دو قریبی انگلیوں (شہادت کی اور بیچ کی انگلیوں) کی طرح جنت میں ہوں گے۔

الغرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو یہ عظیم بشارت دی گئی ہے اور اس میں ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حق میں حسنِ خاتمہ کی بھی بشارت ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک اور اسی معنی کی حدیث کے تحت ”مرقاۃ“ میں بیان کیا ہے کہ ”وفي الحديث إشارة إلى بشارة حسن الخاتمة“ (اس حدیث

(۱) سنن أبی داود: ۵۱۵۱، مسند أحمد: ۲۴۰۵۲، الأدب المفرد: ۱۴۱، المعجم الكبير

للطبرانی: ۱۴۵۳۰

میں حسن خاتمہ کی بشارت کی جانب اشارہ ہے۔ (۱)

✽ سید الاستغفار سے حسن خاتمہ

سید الاستغفار کا اہتمام بھی ایک اہم عمل ہے، جس پر حسن خاتمہ کی بشارت سنائی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ جو شخص صبح یا شام اس کو پڑھے گا، اگر اس کا انتقال اسی دن یا رات میں ہو جائے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور سید الاستغفار یہ ہے:

”اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذُنُوبِي فَاعْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ.“ (۲)

(اے اللہ! آپ ہی میرے پروردگار ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور میں آپ کا بندہ ہوں اور میں آپ کے معاہدے اور وعدے کا پابند ہوں، جہاں تک کہ میرے بس میں ہے۔ میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ہر اس شر سے جس کا میں مرتکب ہوا ہوں، میں اعتراف کرتا ہوں آپ کی نعمت کا جو آپ نے مجھ پر کی ہے اور میں میرے گناہ کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ پس میری مغفرت فرمادیجیے؛ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔)

اس حدیث نبوی میں ”سید الاستغفار“ کی بڑی اہم خصوصیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جو شخص صبح و شام اس کے پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے، اگر اسی دن یا رات اس کا

(۱) مرقاة المفاتیح: ۱۸۶/۹

(۲) صحیح البخاری: ۶۳۰۶، سنن أبي داود: ۵۰۷۲، سنن الترمذی: ۳۳۹۳، سنن

النسائی: ۵۵۲۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۲، مسند أحمد: ۱۷۱۵۲

|| حُسنِ خاتِمہ ||

انتقال ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جنت میں وہی جاتا ہے، جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔

✽ صلہ رحمی کی وجہ سے بری موت سے حفاظت

خاتمہ بالخیر کا ایک اہم عمل یہ ہے کہ رشتے داروں سے اچھا سلوک کرے، حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُوسَعَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُدْفَعَ عَنْهُ مِيتَةُ السُّوءِ، فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ» (۱)

(جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، رزق وسیع ہو اور بری موت سے حفاظت ہو؛ تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔)

✽ صدقہ بری موت سے حفاظت کا ذریعہ

صدقہ بھی بری موت سے حفاظت کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ» (۲)

(بے شک صدقہ رب کے غصے کو بجھاتا اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔)

یہ چند اہم اعمال و عبادات حسنِ خاتمے کی بشارت سے متعلق یہاں ذکر کیے گئے ہیں، ویسے اس سلسلے میں احادیث میں اور بھی اعمال ملتے ہیں، جن پر حسنِ خاتمے کی بشارت سنائی گئی ہے؛ مگر یہاں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے؛ بل کہ بہ طور مثال چند کا تذکرہ مقصود ہے۔ خاتمہ بالخیر کے متمنی کے لیے یہ بڑی خوشی و مسرت کا موقع ہے کہ وہ ان اعمالِ مسنونہ کی پابندی کر کے خاتمہ بالخیر کو پہنچے۔

(۱) مسند أحمد: ۱۲۱۳، المعجم الأوسط للطبرانی: ۳۰۱۴

(۲) الترمذی: ۶۶۴، ابن حبان: ۳۳۰۹

فصل پنجم

سوئے خاتمے کے اسباب

یہاں تک حسنِ خاتمے کے اسباب و وسائل کا ذکر تھا، اب ہم سوئے خاتمے کے اسباب و بواعث ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ ان امور سے بچا جائے۔

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بد عملی و بے راہ روی، خواہ وہ عقیدے کے حوالے سے ہو یا عمل کے لحاظ سے ہو، پھر عمل میں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا معاشرت یا معاملات و اخلاق سے متعلق ہو، یہی بد عملی و بے راہ روی انسان کے لیے سوئے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات میں بد عملی و بے راہ روی کے طرز پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون وارد ہوا ہے، جس کا حاصل یہی ہے کہ ان برائیوں اور خباثت پر انسان سوئے خاتمہ کا شکار ہو سکتا ہے اور اسے ایمان سے محروم کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کا بیان

اس سلسلے میں یہاں چند آیات مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں، جن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿سُورَةُ الرَّحْمٰنِ﴾ میں ارشاد فرمایا ہے کہ
 ﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَاۤ
 أَمَرَ اللَّهُ بِهِۦ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ لَا أُولَٰئِكَ لَهُمْ

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿١﴾

(اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد اسے توڑتے ہیں اور جن چیزوں کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور ان کے لیے برا ٹھکانا ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کو وعید سنائی ہے: ایک ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پامال کرتے ہیں اور اسے پورا نہیں کرتے، دوسرے ان کو جو صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ نہیں کرتے اور تیسرے ان کو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ظلم و زیادتی، خون ریزی، قتل و غارت گری کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کا تعلق ایمان و عقیدے اور عبادات میں بے راہ روی سے ہے، دوسری کا معاشرت و اخلاق کے باب میں بد عملی سے ہے اور تیسری کا تعلق ملی و ملکی معاملات میں خلل اندازی سے ہے۔ ایسے بھی لوگوں کو اس آیت میں سوءِ دار یعنی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا سبب سوئے خاتمہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں سوء الدار کی تفسیر سوئے عاقبت سے کی ہے، جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے اپنی ”جامع البیان“ میں اور علامہ سیوطی نے ”الدر المنثور“ میں اور شوکانی نے ”فتح القدیر“ میں ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (۱)

یہ اور ان جیسی بے شمار آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گناہ پر اصرار ایک ایسی سخت چیز ہے، جو انجام کار سوئے عاقبت تک پہنچا دیتی ہے؛ لہذا گناہ خواہ ظاہری ہوں یا باطنی؛ ان سے اجتناب و احتیاط لازم ہے؛ تا کہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو اور سوئے خاتمے سے حفاظت ہو۔

(۱) تفسیر الطبري: ۴۲۸/۱۶، الدر المنثور: ۴۳۳/۸، فتح القدیر: ۱۰۸/۴

علامہ عبدالحق اشنبیلی رحمہ اللہ کا بیان

علامہ عبدالحق اشنبیلی رحمہ اللہ نے ”العاقبة في ذكر الموت“ میں لکھا ہے کہ
 ”وَاعْلَمُ أَنَّ لِسُوءِ الْخَاتِمَةِ - أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا - أَسْبَابًا،
 وَلَهَا طُرُقَ وَأَبْوَابَ، أَعْظَمُهَا الْإِنْكَبَابُ عَلَى الدُّنْيَا،
 وَالْإِعْرَاضُ عَنِ الْآخِرَى، وَالْإِقْدَامُ وَالْجُرْأَةُ عَلَى مَعَاصِي اللَّهِ
 عَزَّوَجَلَّ، وَرُبَّمَا غَلَبَ عَلَى الْإِنْسَانِ ضَرْبٌ مِنَ الْخَطِيئَةِ،
 وَنَوْعٌ مِنَ الْمَعْصِيَةِ، وَجَانِبٌ مِنَ الْإِعْرَاضِ، وَنَصِيبٌ مِنَ
 الْجُرْأَةِ وَالْإِقْدَامِ، فَمَلَكَ قَلْبُهُ، وَسَبَى عَقْلَهُ وَأَطْفَأَ نُورَهُ وَ
 أَرْسَلَ عَلَيْهِ حُجْبَهُ، فَلَمْ تَنْفَعْ فِيهِ تَذَكُّرَةٌ، وَلَا نَجَحَتْ فِيهِ
 مَوْعِظَةٌ، فَرُبَّمَا جَاءَهُ الْمَوْتُ عَلَى ذَلِكَ، فَسَمِعَ النَّدَاءَ مِنْ
 مَكَانٍ بَعِيدٍ، فَلَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُ الْمُرَادُ، وَلَا عَلِمَ مَا أَرَادَ، وَإِنْ كَرَّرَ
 عَلَيْهِ الدَّاعِيَ وَاعَاذَ.“ (۱)

(جان لو کہ سوئے خاتمے - اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے - کے
 کئی اسباب، طریقے اور ابواب ہیں۔ ان اسباب میں سے بڑا سبب دنیا
 میں انہماک، آخرت سے اعراض، اللہ کی نافرمانی پر اقدام و جرات ہے۔
 اور بسا اوقات انسان پر گناہ کی کوئی خاص قسم، معصیت کی کوئی شکل،
 اعراض کی کوئی جانب اور گناہوں پر اقدام اور جرات کا کوئی خاص حصہ
 غالب ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے دل پر قبضہ جما لیتا، اس کی عقل کو غلام بنا
 لیتا، اس کے دل کے نور کو بجھا دیتا اور اپنے حجابات اس پر ڈال دیتا ہے،
 جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کو نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے، نہ کوئی پند
 و وعظ مفید و کامیاب ہوتا ہے اور بسا اوقات اسی حالت پر اسے موت آ جاتی

|| حُسنِ خاتِمہ ||

ہے اور کچھ دور سے اسے موت کی ندا بھی دی جاتی ہے؛ مگر وہ اس کا مقصد نہیں سمجھتا اور نہ مراد کو پاتا ہے، اس وقت اگرچہ اللہ کا فرشتہ بار بار اس کو پکارتا ہے؛ مگر سب بے سود رہتا ہے۔
 علامہ عبدالحق اشعریؒ اسی کتاب ”العاقبة في ذكر الموت“ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

”جس کا ظاہر اچھا ہو اور اس کا باطن صالح ہو؛ وہ سوئے خاتمہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ کا شکار نہیں ہوتا، برا خاتمہ اس کا ہوتا ہے، جس کا عقیدہ صحیح نہ ہو اور وہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو۔ جس شخص پر گناہ غلبہ پالیتا ہے، توبہ سے پہلے ہی اسے موت آدبوچتی ہے، اصلاح و انابت اور رجوع الی اللہ سے پہلے ہی موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ ایسے شخص پر نزع و سكرات میں موت کے وقت شیطان غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ بالخیر سے ہٹا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔“ (۱)

علامہ ابن القیمؒ کا بیان

اس سلسلے میں علامہ ابن القیم الجوزیہؒ اپنی کتاب ”الجواب الكافي“ میں فرماتے ہیں کہ

”اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ عالم نزع میں حسنِ خاتمہ اور انسان کے درمیان بد عملیاں اور گناہ بہ طور عقوبت و سزا حائل ہو جاتے ہیں اور ان ہی گناہوں کی وجہ سے انسان کو خاتمہ بالخیر کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔“ (۲)

علامہ ابن القیمؒ کی ایک نادر تحقیق

اس موقع پر علامہ ابن القیمؒ نے ایک نادر تحقیق پیش کی ہے، جو نہایت ہی قابل

(۱) العاقبة في ذكر الموت: ۱۸۰

(۲) الجواب الكافي: ۱۶۶

حُسنِ خاتمہ

توجہ ہے اور ان کی یہ تحقیق کئی صفحات پر مشتمل ہے، ہم یہاں اہم اقتباسات لے کر ان کے بیان کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ وہو هذا

”جب انسان گناہ پر گناہ کرتا اور اس پر اصرار کرتا جاتا ہے، تو خود اس کے اعضا، قلب و نفس، ہاتھ پیر وغیرہ خود اس سے بغاوت کرتے ہیں، معاصی سے قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے اور وہ اپاہج جیسا ہو جاتا ہے اور جب دشمن سے لڑنے کی نوبت آتی ہے، تو مقابلے کے لیے کوئی چیز نہیں پاتا۔ اسی طرح نفس بھی شہوات و خواہشات کا خوگر ہو کر ناپاک و خبیث ہو جاتا ہے اور اس کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب ایک گنہ گار آدمی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس کا دل، نفس اور اعضا اس سے بے وفائی کرتے ہیں اور ان امور میں جو اس کے حق میں مفید ہوتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور اس سے زیادہ خطرناک اور درد انگیز پہلو اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ جب اس دنیا سے رخصت ہو کر بارگاہِ الہی میں حاضر ہونے کی تیاری کرتا ہے اور اس پر حالتِ نزع طاری ہوتی ہے، تو اس وقت اس کے یہ اعضا اس سے بے وفائی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی زبان پر کلمہ شہادت بھی جاری نہیں ہوتا۔ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ۔ جب شیطان نے انسان کو اس کے حضورِ ذہن، قوتِ دماغ اور قوتِ ادراک کے وقت اپنی مرضی کے مطابق اللہ کی معصیت میں استعمال کر لیا اور اس کے دل کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اور اس کی زبان کو اس کے ذکر سے اور اعضا کو اس کی اطاعت سے معطل کر دیا، تو کیا خیال ہے اس وقت کے بارے میں جب کہ انسان کی قوت و طاقت کمزور ہو جائے اور اس کا دل و نفس نزع کی تکلیف و پریشانی میں مشغول ہو؟ اور شیطان اپنا سارا لاؤ لشکر اور قوت کو جمع کر کے اس کو اچک لینے کے لیے آدھمکا ہو؛ کیوں کہ یہ بندے کا آخری عمل ہوتا

ہے اور شیطان اس کے حق میں سب سے زیادہ سخت اسی وقت ہوتا ہے؟
اب بتاؤ کہ وہ کیسے بچ سکتا ہے؟ پس کیسے وہ شخص حسنِ خاتمہ کی توفیق پاسکتا
ہے، جس کے دل کو اللہ نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہو اور وہ خواہشات
کے پیچھے چلتا ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہو؟ پس جس کا دل اللہ سے
دور ہو، غافل ہو، وہ اپنی خواہشات کا غلام اور لذات کا اسیر ہو اور اس کی
زبان اللہ کے ذکر سے خشک ہو اور اس کے اعضا و جوارح اللہ کی طاعت سے
معطل اور معصیت میں مشغول ہوں، ایسے شخص سے یہ بات بہت بعید ہوتی
ہے کہ اس کو حسنِ خاتمہ کی توفیق میسر آئے۔ (۱)

گناہ کس طرح سوئے خاتمہ کا سبب بنتے ہیں؟

”مجالس الابرار“ کے حوالے سے علامہ صدیق حسن خان صاحب قنوجی نے لکھا ہے:

”سوئے خاتمہ کا ایک سبب گناہوں پر اصرار ہے، کیوں کہ جو شخص گناہ
پر اصرار کرتا ہے، اس کو گناہوں سے ایک قلبی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور
انسان اپنی تمام عمر میں جن چیزوں سے الفت و تعلق پیدا کر لیتا ہے، وہ
سب باتیں موت کے وقت اسے یاد آتی ہیں، اگر اس کا میلان طاعات کی
جانب زیادہ تھا، تو موت کے وقت نیکیاں ہی یاد آتی ہیں اور اگر معاصی کی
جانب زیادہ میلان تھا، تو موت کے وقت وہی یاد آتی ہیں۔ پس بسا
اوقات موت کے وقت توبہ سے پہلے پہلے خواہشات اور معاصی میں سے
کسی معصیت کا غلبہ ہوتا ہے اور دل اسی میں مقید ہو جاتا ہے اور یہ بات
اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب بن جاتی ہے اور آخری عمر میں بد
بختی کا سبب بن جاتی ہے؛ پھر اس کی ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

انسان بلاشبہ خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے، جو اس کی عمر میں اس سے تعلق رکھتی ہیں؛ یہاں تک کہ جو شخص اپنی زندگی علم میں گزارتا ہے، وہ خواب میں علم اور علما سے متعلق احوال دیکھتا ہے اور جو شخص اپنی زندگی کپڑے سینے میں گزارتا ہے، وہ خواب میں بھی درزی اور درزیوں کے حالات ہی دیکھتا ہے؛ کیوں کہ انسان کو سونے کی حالت میں وہی مستحضر ہوتا ہے، جس سے اس کے دل کو مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح معاصی سے ایک لمبی مدت تک تعلق اور الفت بھی موت کے وقت ان گناہوں کے یاد آنے کا سبب ہوتا ہے اور دل میں ان سے محبت و تعلق پیدا کرتا ہے۔ پس اگر اسی حالت میں روح قبض ہوگئی، تو یہ سوئے خاتمہ پر مرتا ہے۔ (۱)

بہر حال ان تفصیل سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ گناہ پر اصرار اور ان سے دلی تعلق بھی سوئے خاتمے کا بڑا سبب ہے۔

ایک منافق کا عبرت ناک انجام

اس موقع پر ایک عبرت ناک واقعہ حدیث اور سیر کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سوئے خاتمہ کا بد عملی سے کیسا تعلق ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ثعلبہ بن حاطب انصاری نامی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ آپ دعا کر دیں کہ میں مال دار ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں میرا طریقہ پسند نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں چاہتا؛ تو مدینے کے پہاڑ سونا بن کر میرے سامنے پھرتے؛ لیکن مجھے ایسی مال داری پسند نہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا؛ مگر دوبارہ پھر آیا اور وہی درخواست پیش کیا کہ اگر مجھے مال مل جائے؛ تو میں ہر حق دار کو

(۱) یقظة أولی الاعتبار للعلامة صدیق حسن خان: ۲۱۲

حَسَن خَاتِمہ

اس کا حق پہنچاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی، جس کی برکت سے اس کی بکریوں میں بے پناہ اضافہ ہوا، یہاں تک کہ مدینے کی جگہ اس کے لیے تنگ ہو گئی؛ لہذا وہ شخص شہر سے باہر جا کر رہنے لگا اور ظہر و عصر کی نمازیں مدینے میں آپ کے ساتھ پڑھتا اور باقی نمازیں بلاجماعت وہیں پڑھ لیتا تھا۔

پھر ان ہی بکریوں میں مزید اضافہ ہوا اور وہ اور دور چلا گیا اور اب صرف جمعہ کو حاضر ہونے لگا اور مال میں مزید اضافہ ہوا؛ تو اور دور چلا گیا اور پھر جماعت بھی چھوڑ دیا اور جمعہ میں حاضری بھی چھوڑ دی۔

کچھ عرصے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے احوال جاننے کے لیے لوگوں کو بھیجا، تو لوگوں نے آ کر آپ کو اس کے احوال کی خبر دی، تو آپ نے تین بار فرمایا کہ یا وِخِ ثَعْلَبَہ! (ثعلبہ پر افسوس ہے!) پھر جب صدقات کا حکم نازل ہوا، تو آپ نے اس سے صدقہ وصول کرنے کے لیے صحابہ کو بھیجا، اس نے کہا کہ یہ تو جزیہ ہو گیا، جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، ان صحابہ نے مدینہ لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کو اس کا حال اور جواب بتایا، تو آپ نے پھر وہی کہا کہ ثعلبہ پر افسوس۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ کے بارے میں فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس؛ تو وہاں اس کے کچھ عزیز بھی موجود تھے اور ان میں سے ایک شخص نے فوراً سفر کر کے ثعلبہ کو اس کی خبر دی اور اسے ملامت کی اور کہا کہ تیرے بارے میں قرآن کی آیات بھی نازل ہوئی ہیں، تو وہ گھبرایا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور صدقہ قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ سر پر خاک ڈالنے لگا۔ اس کے چند دنوں کے بعد ہی اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہو گئی اور وہ حضرت ابو بکر کی خدمت میں صدقہ لے کر آیا اور پیش کیا، آپ نے بھی انکار کر دیا اور پھر حضرت عمر کے دور میں بھی صدقہ لایا اور آپ نے بھی انکار کر دیا اور پھر حضرت عثمان کے دور میں ان کی خدمت میں بھی صدقہ لا کر پیش کیا اور

انہوں نے بھی انکار کر دیا اور خلافتِ عثمانی کے دور میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

قرآنِ کریم میں ﴿سُورَةُ التَّوْبَةِ﴾ کی یہ آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ، فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمٍ یَّلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾

(ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں، جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا؛ تو ہم خوب صدقہ دیا کریں گے اور ہم نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے، پس جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا، تو بخل کرنے لگے اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی ہی کے عادی ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا، جو خدا کے پاس جانے تک رہے گا، اس سبب سے کہ انہوں نے خدا سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔)

اس واقعے سے یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ بد عملی اور گناہ نے اس کو نفاق تک پہنچایا اور پھر وہ اسی حالت میں موت کے گھاٹ اتر گیا اور سوئے خاتمہ کا شکار ہوا۔ اللہم احفظنا من شرور أنفسنا و من سیئات أعمالنا۔

گناہ اور سوئے خاتمہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شراب سے بچو؛ کیوں کہ وہ ام النجاشی ہے، تم سے پہلے لوگوں میں ایک عابد و زاہد شخص تھا، ایک زانیہ عورت اس کے پیچھے پڑ گئی اور اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا کہ ایک مسئلے میں گواہی کے سلسلے میں تمہاری ضرورت ہے، لہذا آؤ، وہ

شخص باندی کے ساتھ اس عورت کے پاس گیا، جب وہ اس کے گھر میں داخل ہوا؛ تو اس باندی نے دروازہ بند کر دیا اور اس کو ایک خوب صورت عورت کے پاس اندر پہنچا دیا جہاں ایک غلام اور ایک شراب کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس عورت نے اس عابد و زاہد سے کہا، کہ میں نے تمہیں گواہی کے لیے نہیں بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ یا تو میری خواہش پوری کرو یا شراب پی لو یا اس غلام کو قتل کرو۔ اس نے کہا کہ شراب کا ایک پیالہ مجھے پلا دو، اس نے شراب کا پیالہ پلایا؛ تو اس نے کہا کہ مزید پلاؤ، یہاں تک کہ شراب میں مست ہو کر اس نے اس عورت سے زنا بھی کیا اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ پس تم لوگ شراب سے بچو؛ کیوں کہ خدا کی قسم! ایمان اور شراب کی عادت دونوں جمع نہیں ہوتے، ان میں سے ایک اس آدمی میں سے نکل جاتا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے کی عادت ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔

گناہ سے برے انجام کا ایک عبرت خیز واقعہ

حضرت فضیل بن عیاض ؓ کا ایک شاگرد تھا، جو بڑا عالم و فاضل شخص تھا، جب اس کی وفات کا وقت آیا، تو حضرت فضیل اس کی عیادت کو گئے، دیکھا کہ نزع کا عالم ہے۔ حضرت فضیل اس کے سر ہانے بیٹھ کر ﴿سُوْرَةُ الْيٰسِيْنَ﴾ پڑھنے لگے اور اس سے فرمایا کہ کیوں نہیں تم بھی یہ سورت پڑھتے؟ وہ خاموش رہا، پھر آپ نے اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی، تو وہ کہنے لگا کہ میں کسی بھی وقت یہ نہیں کہوں گا اور پھر اسی حال میں اس کو موت آ گئی۔ یہ دل دہلا دینے والا منظر دیکھ کر حضرت فضیل اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور چالیس دن تک روتے رہے۔ پھر ایک دن اس کو خواب میں دیکھا کہ اسے جہنم کی جانب لے جایا جا رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو بچائے۔ حضرت فضیل نے اس سے پوچھا کہ کس وجہ سے تیرے اندر سے نور

(۱) السنن الصغری للنسائی: ۵۶۶۶، السنن الکبری للنسائی: ۵۱۵۶، سنن البیہقی: ۱۷۸۰۲

معرفت سلب کر لیا گیا، جب کہ تو تو میرے شاگردوں میں سے سب سے بڑا عالم تھا؟ اس نے جواب میں کہا کہ اس کی وجہ تین گناہ ہیں: ایک یہ کہ میں اپنے ساتھیوں کی چغلی کھایا کرتا تھا، دوسرے کہ میں اپنے دوستوں سے حسد کیا کرتا تھا اور تیسرے یہ کہ مجھے ایک بیماری تھی، تو اطبانے کہا کہ سال میں ایک بار ایک پیالہ شراب پی لیا کرو؛ لہذا میں سال میں ایک بار شراب پیا کرتا تھا۔ (۱)

ایک اور درد انگیز واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ ایک بار حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ کے لیے نکلے اور اپنی سواری میں بیٹھ کر رات بھر روتے رہتے تھے۔ ساتھ میں ان کے شاگرد حضرت شبیان راعی بھی تھے، جو بڑے اللہ والے اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے، انھوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ پوری رات روتے رہتے ہیں، یہ کیوں؟ کیا کسی گناہ کی وجہ سے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہ کی وجہ سے نہیں یا شبیان! گناہ تو میرے دل میں ایسے نہیں کھٹکے کہ میں اس قدر روؤں؛ بل کہ میں تو عاقبت اور انجام کی فکر سے رو رہا ہوں؛ کیوں کہ میں نے اپنے ایک شیخ کو دیکھا، جن سے ہم نے علم حاصل کیا تھا اور ان سے برکت لینے جایا کرتے تھے اور ان کے طفیل سے دعا کر کے اللہ سے بارش مانگتے تھے؛ لیکن جب ان کی موت ہوئی، تو دیکھا کہ ان کا چہرہ قبلے سے پھر گیا اور ان کا کفر پر انتقال ہوا۔ پس میں تو برے خاتمے سے ڈرتا ہوں؛ پھر آپ نے شبیان سے کہا کہ

”إن ذلک من شؤم المعصیة، و الإصرار علی الذنوب،

فلا تعص ربک طرفة عین.“ (۲)

(یہ گناہ کی نحوست اور معصیت پر اصرار کا نتیجہ ہے؛ لہذا تو ایک پلک

جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرنا۔)

(۱) شرح البخاری للسفیری: ۱۴/۱۴

(۲) شرح البخاری للسفیری: ۱۵/۱۴

عشقِ فانی کا عبرت ناک انجام

ایک شخص کا واقعہ متعدد اکابر علماء و مشائخ نے لکھا ہے کہ وہ ”اسلم“ نامی شخص پر عاشق ہو گیا اور اس کی محبت میں گھلنے لگا؛ یہاں تک کہ بستر کا ہو گیا اور اس کا وہ معشوق یہ حالت دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا اور اس کے پاس آنے سے رک گیا، اس پر وہ عاشق شخص نے کسی کو درمیان میں واسطہ بنایا کہ وہ کسی طرح اس معشوق کو بلا لائے۔ اس نے کوشش کی، تو وہ شخص ایک بار آنے کو تیار ہو گیا؛ مگر عین وقت پر اس نے انکار کر دیا کہ اس سے میری بدنامی ہوگی۔ جب اس معشوق کو جا کر یہ بتایا گیا کہ اس نے وعدے کے مطابق آنے سے انکار کر دیا ہے، تو اس پر موت کے آثار طاری ہو گئے اور وہ اسی حال میں اپنے معشوق اسلم کو خطاب کر کے یہ شعر پڑھنے لگا:

اسلم! يَا رَاحَةَ الْعَلِيلِ وَيَا شِفَاءَ الْمُدْنَفِ النَّحِيلِ

رِضَاكَ أَشْهَى إِلَيَّ فُؤَادِي مِنْ رَحْمَةِ الْخَالِقِ الْجَلِيلِ

(اے اسلم! اے بیمار کی راحت! اے کمزور عاشق کی شفا! تیری

خوشنودی میرے نزدیک اللہ خالقِ جلیل کی رحمت سے زیادہ لذیذ ہے۔)

بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہوگئی اور یہی کلمہ کفر کہتا ہوا، وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔ (۱)

عشقِ حرام کا خطرناک انجام

اسی طرح ایک اور قصہ عشقِ فانی و حرام کے خطرناک انجام کے بارے میں علماء و اکابر نے لکھا ہے، وہ یہ کہ ایک شخص اپنے گھر کے پیچھے کھڑا تھا کہ وہاں سے ایک لڑکی کا گزر ہوا اور اس نے اس شخص سے پوچھا کہ ”حمامِ منجاب“ کہاں ہے؟ اس شخص نے دھوکا دینے کے لیے اپنے ہی گھر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہے حمامِ منجاب۔ وہ لڑکی اس گھر میں داخل ہوئی، تو یہ شخص بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر کی جانب آنے لگا۔ وہ لڑکی سمجھ گئی کہ اس

(۱) الجواب الکافی: ۱۶۷، التذکرۃ للقرطبی: ۴۲/۱

حُسنِ خاتمہ

نے مجھے دھوکا دیا ہے؛ لہذا اس نے بھی اس کو دھوکا دینے کے خیال سے بہ ظاہر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہاں تو سامان عیش کچھ نہیں ہے؟ وہ شخص سمجھا کہ یہ لڑکی مجھ سے حرام کاری کے لیے تیار ہوگئی ہے، اس لیے کہنے لگا کہ میں ابھی ابھی سب سامان لاتا ہوں، تم یہیں ٹھہرنا۔ وہ اس لڑکی کو بغیر گھر بند کئے، یہ کہہ کر بازار گیا اور اس لڑکی نے وہاں سے اپنی راہ لی اور چلی گئی۔ جب یہ واپس آیا، تو دیکھا کہ گھر میں وہ موجود نہیں ہے، اس پر وہ اس کی محبت میں بڑا بے قرار ہو گیا اور راستوں اور گلی کو چوں میں اس کو تلاش کرنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ

يَا رَبِّ قَائِلَةٍ يَوْمًا وَقَدْ تَعَبْتُ

كَيْفَ الطَّرِيقُ إِلَى حَمَامٍ مُنْجَابٍ؟

(اے تھکے ہوئے حال میں ایک دن یہ کہنے والی کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر کو ہے؟)
ایک بار وہ اسی طرح بار بار کہتا جا رہا تھا کہ ایک باندی نے اپنے گھر کے اندر سے اس کا جواب یوں دیا کہ

هَلَّا جَعَلْتَ سَرِيعًا إِذْ ظَفَرْتُ بِهَا

حِرْزًا عَلَى الدَّارِ أَوْ قُفْلًا عَلَى الْبَابِ

(جب تو اسے پایا تھا، تو کیوں جلدی سے گھر پر کوئی آڑ، یا دروازے پر کوئی قفل نہیں لگا دیا۔)

یہ سن کر اس کا غم اور بڑھ گیا اور اسی حالت میں موت کے بچے نے اس کو دبوچ لیا۔ (۱)
یہ چند واقعات بتا رہے ہیں کہ گناہ انسان کے لیے سوئے خاتمہ کا سبب بن جاتے ہیں۔
اللہ مجھے اور آپ کو اس مصیبت سے بچائے، جو انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے اور ہم سب کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(۱) العاقبة في ذكر الموت: ۷۹، الجواب الكافي: ۱۶۸، التذكرة: ۲۸/۱، الثبات

فصل ششم

موت کی تیاری اور موت کے وقت مؤمن کے پسندیدہ احوال

ہر انسان اس بات سے واقف ہے کہ موت ایک ناگزیر امر ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں؟ نیک ہو یا بد، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا رعایا، خواہ کوئی بھی ہو، جب اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے، تو اسی وقت اس کی قضا اور موت اس سے کہتی ہے کہ میں بھی تیرے پیچھے پیچھے آرہی ہوں۔ مجھ سے کسی کو چھٹکارا نہیں، تو بھی مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

جب یہ ایسی متیقن و متعین چیز ہے، تو مؤمن کو اس کے لیے پہلے ہی سے تیار رہنے اور تیار ہونے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ موت کا علم کسی کو نہیں کہ کب آئے گی اور خصوصیت کے ساتھ موت کے قریب وقت میں مؤمن کو اس کے لیے بالکل ہی تیار ہو جانا چاہیے۔ ہم اس موقع پر موت کی تیاری کے سلسلے میں چند اہم امور کی نشان دہی اور مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ احوال کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں؛ لہذا عرض ہے کہ اس فصل کو دھیان سے پڑھنے اور عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اچانک موت کے بارے میں ایک تحقیق

اصل موضوع سے قبل یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ موت کی تیاری ہی وہ مہتمم بالشان کام ہے، جس کے لیے یہ امر پسندیدہ مانا گیا ہے کہ موت اچانک نہ آئے؛ تاکہ مؤمن توبہ واستغفار کر لے اور ادائیگی حقوق وتلافی مافات کر کے اللہ کے جناب میں جانے کے لائق بن جائے۔ جب بات اچانک موت کے مسئلے تک پہنچ گئی ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کے سلسلے میں یہ تحقیق پیش کر دی جائے کہ اچانک موت کے متعلق روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کوئی اچھی موت نہیں؛ اس لیے بعض اکابر نے اس کو نا پسند کیا ہے، جب کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کوئی بری چیز نہیں؛ بل کہ مؤمن کے حق میں اچھی ہے۔

یہاں ہم اولاً وہ روایات پیش کریں گے، جن سے اچانک موت کا برا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«مَوْتُ الْفَجَاءَةِ أَخْذَةٌ أَسْفٍ.» (۱)

(اچانک موت غضب کی پکڑ ہے۔)

یہ حدیث صحیح ہے، متعدد حضرات محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جن میں حافظ ابن حجر بھی ہیں، جیسا کہ شیخ البانی نے ”سلسلة الأحادیث الضعيفة و الموضوعة“ میں ذکر کیا ہے اور علامہ شعیب ارناؤط نے تحقیق مسند احمد میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اچانک موت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ آدمی کوئی قابل گرفت کام کر بیٹھتا ہے؛ لہذا یہ اچانک موت اللہ کی جانب سے اس پر غضب کی پکڑ ہوتی ہے۔ اس سے اچانک موت کا برا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سنن أبي داود: ۳۱۱۲، مسند أحمد: ۱۵۵۳۵ و ۱۷۹۵۳، سنن البيهقي: ۶۸۰۹، جامع

الأصول: ۸۵۵۸، المسند الجامع: ۹۶۰۱

(۲) سلسلة الضعيفة: ۷۲/۱۲، تحقیق مسند أحمد: رقم: ۱۷۹۵۳

(۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ
 «اَسْتَعَاذُ مِنْ سَبْعِ مَوْتَاتٍ: مِنْ مَوْتِ الْفَجَاءَةِ، وَمِنْ لَذِغِ
 الْحَيَّةِ، وَمِنْ أَكْلِ السَّبْعِ، وَمِنْ الْغَرَقِ، وَمِنْ الْحَرَقِ، وَمِنْ أَنْ
 يَخْرَّ عَلَى شَيْءٍ أَوْ يَخْرَّ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَمِنْ الْقَتْلِ عِنْدَ فِرَارٍ
 الزَّخْفِ.» (۱)

(رسول اللہ ﷺ نے سات قسم کی موت سے پناہ مانگی ہے: اچانک
 موت سے، سانپ کے ڈسنے سے، درندے کے کھالینے سے، غرق ہونے
 سے، جل جانے سے اور اس سے کہ کسی چیز پر گر کر موت آئے یا کوئی چیز
 گر جانے سے موت آئے اور گھمسان کی جنگ میں جنگ سے بھاگتے
 ہوئے قتل ہو جائے۔)

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ راوی کو بہت سے محدثین نے ان کے حافظے کی
 وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض دیگر حضرات محدثین نے ان کی توثیق و تصدیق کی ہے،
 لہذا ان کی حدیث کو ضعیف بہ ضعفِ محتمل قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس میں جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے، وہیں اچانک موت سے بھی پناہ مانگی
 گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ناپسندیدہ چیز ہے؛ کیوں کہ پناہ ایسی ہی چیز سے مانگی جاتی
 ہے جو ناپسندیدہ ہو۔

مگر بعض روایات اس کے برخلاف ایسی ہیں، جن سے اس کا اچھا ہونا معلوم ہوتا ہے۔
 (۱) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک
 موت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

«رَاحَةُ لِلْمُؤْمِنِ وَأُخْذَةُ أَسْفٍ لِلْفَاجِرِ.» (۲)

(وہ تو مؤمن کے لیے راحت اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔)

(۱) أحمد: ۶۵۹۴، المعجم الكبير للطبراني: ۱۴۱۲، المعجم الأوسط: ۱۷۳

(۲) مسند أحمد: ۲۵۰۸۶

حَسَن خَاتِمہ

(۲) ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبد اللہ بن عبید بن عمیر نے پوچھا کہ اچانک موت، کیا مکروہ اور بری چیز ہے؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بری کیوں ہے؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو فرمایا کہ وہ تو مؤمن کے لیے راحت اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔ (۱)

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہیں کہ اچانک موت مؤمنین پر ناراضگی کی وجہ سے ہوتی ہے؛ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ ابن عمر کو معاف فرمائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ اچانک موت مؤمنین کے لیے تخفیف و آسانی ہے اور کافر کے لیے ناراضگی ہے۔ (۲)

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً وارد ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اچانک موت مؤمن کے حق میں تخفیف و آسانی ہے اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔ (۳)

ان روایات میں سے پہلی اور دوسری روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس کی سند میں عبید اللہ بن الولید الوصافی متروک راوی ہے، جس کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے کہا ہے کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے؛ یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ یہ ثقات کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے، جو ثقہ حضرات کی احادیث سے میل نہیں کھاتیں؛ حتیٰ کہ یہ خیال گزرتا ہے کہ اسی نے ان احادیث کو گھڑ کے ان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ (۴)

اور اس سند میں دوسرے راوی عبید اللہ بن الولید کے شیخ عبد اللہ بن عبید بن عمیر ہیں،

(۱) سنن البیہقی: ۶۸۱۱، شعب الإیمان: ۹۷۴۰

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ۴۰۳

(۳) مصنف ابن أبي شيبة: ۶۷۷۶، المعجم الكبير للطبراني: ۸۷۷۴

(۴) تهذيب التهذيب: ۵۱/۷

ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع حاصل نہیں ہے۔ (۱)

لہذا یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی؛ لہذا یہ ناقابلِ استدلال ہے۔

اور تیسری حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس کی سند میں صالح بن موسیٰ راوی نہایت ضعیف و مجروح ہے، ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقات کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو ان کی احادیث کے مشابہ نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ ان احادیث کے موضوع ہونے کی شہادت دی جاسکتی ہے۔ (۲)

اور رہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث تو وہ بھی ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں امام اعمش کے شیخ و استاذ ایک مجہول شخص ہیں، جن کا نہ نام بتایا گیا ہے، نہ کوئی وصف بیان کیا گیا ہے۔

اور ان کے علاوہ بھی چند روایات اس سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں؛ مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہماری تحقیق کے مطابق صرف ایک حدیث صحیح ہے جو اوپر ابوداؤد وغیرہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے، جس میں اچانک موت کو غضب کی پکڑ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جو اوپر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے پیش کی گئی ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اچانک موت سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے اور حافظ ابن حجر کے صنیع و طرزِ عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک وہی حدیث اس سلسلے میں صحیح ہے؛ کیوں کہ انھوں نے ”موافقة الخبر الخبر في تخریج أحادیث المختصر“ میں اسی ایک حدیث کو صحیح کہا ہے اور باقی سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۳)

یہ تو بہ لحاظِ روایت کلام تھا اور اگر دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت پیدا کی

(۱) تہذیب التہذیب: ۲۶۹/۵

(۲) العلل المتناہیة: ۸۹۵/۲

(۳) دیکھو: موافقة الخبر الخبر في تخریج أحادیث المختصر: ۳۱۷/۱

حُسنِ خاتمہ

جائے تو یہ بھی ممکن ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ اچانک موت ان لوگوں کے حق میں ناپسندیدہ ہے؛ جنہوں نے پہلے سے توبہ واستغفار نہ کیا ہو، حقوق العباد کی ادائیگی نہ کی ہو اور وصیت کرنے کے قابل کوئی چیز ہونے کے باوجود وصیت نہ کی ہو، ایسے لوگوں کے لحاظ سے اچانک موت ظاہر ہے کہ ناپسندیدہ ہے اور اچانک موت ان لوگوں کے حق میں محبوب و پسندیدہ ہے؛ جنہوں نے پہلے ہی سے اپنے آپ کو موت کے لیے تیار کیا ہو اور توبہ واستغفار کرتے رہے ہوں اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہے ہوں اور اپنا وصیت نامہ بھی لکھ دیا ہو یا وصیت کر دی ہو، ایسے لوگوں کے لحاظ سے اچانک موت ایک راحت و آسانی کا معاملہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچانک موت کی ناپسندیدگی دراصل اس وجہ سے ہے کہ اس سے آدمی خود کو موت کے لیے تیار کرنے، توبہ واستغفار کر کے اللہ کو راضی کر لینے اور وصیت وغیرہ اہم کاموں کے کرنے سے رہ جاتا ہے۔

چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن بطلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ - وَاللَّهُ أَعْلَمُ - لِمَا فِي مَوْتِ
الْفَجَاءَةِ مِنْ خَوْفِ حَرَمَانِ الْوَصِيَّةِ، وَتَرْكِ الْإِعْدَادِ لِلْمَعَادِ،
وَالِاغْتِرَارِ الْكَاذِبَةِ، وَالتَّسْوِيفِ بِالتَّوْبَةِ.“

(یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اچانک موت کی ناپسندیدگی اس وجہ سے ہو کہ اس میں وصیت سے محرومی، آخرت کے لیے تیاری کے چھوڑنے، جھوٹی

امیدوں سے فریب خوردگی اور توبہ میں ٹال مٹول کا اندیشہ ہے) (۱)

اسی صورت سے علما نے ان دونوں قسم کی روایات میں جمع و تطبیق پیدا کی ہے۔ (۲)

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اچانک موت کی ناپسندیدگی اس بنیاد پر ہے

(۱) شرح ابن بطلال لصحيح البخاري: ۳/۳۷۸

(۲) دیکھو: فتح الباري: ۳/۲۵۵

حُسنِ خاتمہ

کہ اس سے آدمی موت کی تیاری کر نہیں پاتا اور یوں ہی دنیا سے چل بستا ہے؛ لہذا معلوم ہوا کہ موت کی تیاری کا اہتمام بڑا اہم ہے۔

اب ہم مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ احوال کا تذکرہ کریں گے۔

(۱) توبہ واستغفار اور ذکر کا اہتمام

موت کے وقت مؤمن کا حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ دنیا کے مسائل اور لوگوں سے بات چیت اور کاروباری مشاغل وغیرہ سے کنارہ کش ہو کر کثرت کے ساتھ استغفار و توبہ میں لگا رہے اور اللہ کا ذکر کرے اور پوری توجہ اللہ کی جانب کر لے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ یہ وقت انسان کا وقت واپس ہے؛ لہذا دنیوی بات چیت اور کاروباری مشاغل اور دنیا کے بکھیڑوں میں مشغول ہونے کے بجائے، اس کے لیے سب سے اہم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی وقار میں حاضری کے لیے خود کو گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف کر لینے کی کوشش کرنا چاہیے اور اللہ کی یاد سے دل کو معمور کر لینا چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ذکر اللہ اور توبہ واستغفار کا اس سے بہتر اور کونسا وقت ہو سکتا ہے؟ اگر کسی بندے کو اس وقت یہ بات نصیب ہو جائے، تو وہ بڑا خوش بخت انسان ہے۔

حدیث میں ہے کہ یہ توبہ کی قبولیت کا وقت غرغری کی حالت تک رہتا ہے اور اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرِغْ. » (۱)

(اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں؛ جب تک کہ

وہ غرغری کی حالت کو نہ پہنچے۔)

لہذا اس موقع کو غنیمت جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ واستغفار کا موقع دیا ہے۔

(۱) سنن الترمذی: ۳۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳، مسند أحمد: ۶۱۶۰، صحیح ابن

حبان: ۶۲۸، مسند أبي يعلى: ۵۶۰۹

حضراتِ سلف کے بارے میں علامہ ابن الجوزی ”الثبت عند الممات“ میں لکھتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت اس وقت رونے دھونے کے بجائے، اللہ کے ذکر اور توبہ واستغفار اور عبادت کا اہتمام کرتی تھی۔ (۱)

حضرت ورقابن عمر کا واقعہ

حضرت امام ورقابن عمر یشکری رحمہ اللہ بڑے عظیم محدث گزرے ہیں، ان کا جب وصال کا وقت قریب آیا، تو وہ ذکر و تسبیح میں لگے ہوئے تھے اور لوگ ان کی زیارت و ملاقات کو جوق در جوق آرہے تھے، اس سے آپ پریشان ہو گئے اور اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم ان کے سلام کا جواب دے کر میری جانب سے کفایت کرو (یعنی ان سے ملنے ملانے سے مجھے معاف رکھو)، کہیں یہ لوگ مجھے میرے رب سے غافل نہ کر دیں۔ (۲)

الغرض مؤمن کا یہ وقت اس کے حق میں سب سے زیادہ قیمتی ہوا کرتا ہے؛ کیوں کہ اگر اس وقت اس نے توبہ واستغفار سے کام لیا اور اس کی توبہ بارگاہِ ایزدی میں شرف قبول پاگئی، تو اس کا بیڑا پار ہو گیا اور اس کی زندگی کا مقصد اور نتیجہ اسے مل گیا اور وہ حسن انجام کو پہنچ گیا؛ لہذا اس وقت کو غنیمت سمجھ کر دنیا کے بکھیرؤں سے دور ہو کر توبہ واستغفار میں خود کو لگانا چاہیے اور اس موقع کو دنیا کے مسائل میں تجارت اور جائیداد کے جھگڑوں میں لگا کر ضائع نہ کرنا چاہیے۔

(۲) حقوق العباد میں کوتاہیوں کا تدارک

موت کے قریب مؤمن کا ایک پسندیدہ حال یہ ہے کہ اپنے قریب و دور کے متعلقین کے سلسلے میں ہونے والی کوتاہیوں کا تدارک کرے، معافی تلافی کا اہتمام کرے اور ادا کرنے کے قابل کوئی حق ہو، تو اس کو ادا کر کے سبکدوش ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ حقوق العباد

(۱) الثبات عند الممات: ۵۵

(۲) تاریخ الإسلام للذهبي: ۵۰۲/۱۰، سیر أعلام النبلاء: ۲۲۲/۷، تاریخ بغداد: ۵۱۷/۱۳

حُسنِ خاتمہ

کا مسئلہ بڑا اہم اور گھمبیر ہے، جب تک حق دار معاف نہیں کرے گا، وہ معاف نہیں ہوتے اور قیامت کے دن اس کا بدلہ چکانا پڑے گا۔

احادیثِ نبویہ میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے، یہاں صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، جس میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

حقوق العباد کی تلافی کرنے کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 « مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَحَدٍ مِنْ عَرَضِهِ، أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ، وَلَا دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أَخَذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أَخَذَ مِنْ سَيِّئَاتٍ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. » (۱)

(جس شخص نے کسی کی عزت و آبرو یا کسی اور چیز میں کوتاہی کی ہو، اسے چاہیے کہ وہ آج ہی معاف کرا لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم، پس اگر اس کے پاس عملِ صالح ہوگا، تو اس کو اس کے عوض لے لیا جائے گا اور اگر عملِ صالح نہ ہوگا، تو دوسرے کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آج ہی یعنی جلد سے جلد معافی تلافی کر لے؛ لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حقوق العباد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیمتیں بڑھ گئی ہیں؛ لہذا آپ چیزوں کی قیمت مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ نرخ مقرر کرنا، اللہ کا کام

(۱) صحیح البخاری: ۲۴۴۹، صحیح ابن حبان: ۷۳۶۱، مسند أحمد: ۱۰۵۸۰، مشکل الآثار: ۱۸۷، مسند البزار: ۳۲۰۲، سنن البیہقی: ۱۱۶۹۲

حَسَن خَاتِمہ

ہے، وہی تنگی کرنے والا اور وسعت دینے والا اور روزی دینے والا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں گا کہ تم میں سے کسی کو مجھ پر خون یا مال کے بارے میں کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ (۱)

اس سلسلے میں ہمارے لیے سب سے بڑا اسوہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل اور طریقہ ہے، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے اور لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تمہارے درمیان سے میرے چلے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے، میں بھی تم جیسا بشر ہوں، اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر مارا ہو؛ تو میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور اگر میں نے کسی کا مال لے لیا ہو؛ تو یہ میرا مال حاضر ہے، وہ مجھ سے وصول کر لے اور جس کو میں نے گالی دی ہو یا بے عزت کیا ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور فرمایا کہ تم میں سے کسی کو یہ خیال نہ آئے کہ بدلہ لینے سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی برائی آ جائے گی۔ خبردار! دل میں برائی رکھنا میری فطرت و طبیعت نہیں ہے اور سن لو کہ میرے نزدیک وہ شخص سب سے بہترین ہے، جو آج مجھ سے اپنی چیز وصول کر لے یا مجھے معاف کر دے؛ تاکہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا کوئی حق نہ ہو۔

اور ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ اعلان بار بار کیا، نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس کسی کا کوئی حق ہو، وہ اس کو لوٹا دے اور یہ نہ کہے کہ اس سے دنیا میں رسوائی ہوگی۔ بلاشبہ! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی کے مقابلے میں معمولی ہے۔ اس موقع پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ پر ہیں، آپ نے حضرت فضل بن عباس کو حکم دیا کہ ان کو تین درہم ادا کر دیں۔ (۲)

(۱) سنن أبي داود: ۳۴۵۳

(۲) مسند أبي يعلى: ۶۸۲۴، سنن البيهقي: ۱۱۷۳۶، المعجم الكبير للطبراني: ۱۵۱۱۹،

دلائل النبوة: ۱۷۹/۷

حضرت عبادہ کا اہل حقوق سے معافی تلافی

معروف صحابی حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل فرمایا کہ میرا بچھونا گھر کے صحن میں لگا دو اور میرے تمام غلاموں، باندیوں اور پڑوسیوں کو بلا لو اور ان کو بھی بلاؤ، جو مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ پس ان سب کو بلایا گیا اور وہ سب جمع ہو گئے، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آج کا یہ دن میرا خیال ہے کہ اس دنیا میں میرا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے اور ممکن ہے کہ مجھ سے میری زبان یا ہاتھ سے تمہارے حق میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو۔ خدا کی قسم! قیامت میں اس کا مجھ سے بدلہ لیا جائے گا اور میں حرج محسوس کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کے دل میں اس کی وجہ سے کوئی برائی ہو؛ مگر یہ کہ میرے مرنے سے پہلے پہلے وہ مجھ سے آکر بدلہ لے لے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں؛ بل کہ آپ تو ہمارے باپ اور استاذ ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم سب نے مجھے معاف کر دیا؟ جب لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں! ہم نے معاف کر دیا، تو فرمایا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ (۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل حقوق سے معافی مانگی

ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بھی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پچاس برس کی ہونے کو تھی، تو آپ نے اپنا ”وصیت نامہ“ لکھا، اس میں ایک بات یہ لکھی:

”میرے بعض اخلاقِ سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرا نہ یا غائبانہ میری زبان اور ہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی کے ساتھ سب چھوٹے بڑوں سے استغاثہ کرتا ہوں کہ اللہ

(۱) شعب الإيمان: ۹۲۳۴، کنز العمال: ۳۷۲۴۴، وصایا العلماء للإمام الربيعي: ۲۹

دل سے ان کو معاف فرمادیوں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگزر فرمائیں گے اور اگر معافی کی ہمت نہ ہو، تو حسب فتویٰ شرعی مجھ سے عوض لے لیں، خدا کے لیے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔ (۱)

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی کا طرزِ عمل

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلفا میں سے تھے، انھوں نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ

”زندگی کے دوران میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات کا سابقہ رہتا ہے۔ اعزہ کے ساتھ اور احباب کے ساتھ بھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی، اس لیے فطری امر ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے ضرور کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے، جو خلاف طبع ہو یا جس میں کسی قسم کے حق کا اتلاف ہو، مثلاً آبرو، مال وغیرہ کا؛ اس لیے پیش نظر اس امر کے حقوق العباد بڑا سنگین مسئلہ ہے اور آخرت میں اس کا بہت سخت مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں اور معاف فرمائیں۔ آمین۔ میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ سب اہل معاملہ سے معافی مانگتا رہوں، پھر بھی میرے وارث میرے مرنے کے بعد اگر میرے اعزہ اور اقربا اور احباب سے عند الملاقات میری جانب سے معافی مانگ لیں، تو بہت بہتر ہے؛ تاکہ مجھ سے کسی قسم کا مواخذہ آخرت میں نہ ہو، جو بہت ہی شدید بات ہے۔ (۲)

(۱) اشرف السوانح: ۱۷۳/۱-۱۷۴

(۲) سوانح و تعلیمات عارفی: ۳۲۱

الغرض مرنے والے کو چاہیے کہ وہ موت کی تیاری میں اس کا اہتمام بھی کرے کہ حقوق العباد میں جو کوتاہی ہوئی ہو؛ اس کو اہل حقوق سے یا تو معاف کرا لے یا ان حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

(۳) وصیت نامہ لکھ کر رکھنا

مرنے والے کے لیے ایک اہم کام یہ ہے کہ اگر کوئی بات وصیت کے قابل ہو؛ تو وصیت لکھ کر رکھ دے۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 « مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا
 وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةً عِنْدَهُ. » (۱)

(کسی بھی مسلمان کے لیے جس کے پاس کوئی قابلِ وصیت بات ہو،
 یہ جائز نہیں کہ وہ دو راتیں بھی گزارے؛ مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے
 پاس لکھی ہوئی ہو۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ کوئی بھی تین راتیں نہ گزارے؛ مگر یہ کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی ہو۔ ابن عمر کہتے ہیں
 کہ اس کو سننے کے بعد میں ایک رات بھی نہیں گزارا؛ مگر یہ کہ میرے پاس میری وصیت
 رکھی ہوئی ہے۔ (۲)

حضرات فقہائے کرام میں بعض کہتے ہیں کہ آدمی پر وصیت کرنا واجب ہے اور اکثر یہ
 کہتے ہیں کہ واجب نہیں؛ بل کہ مندوب و مستحب ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں
 حق کے معنی ثابت کے ہیں، لہذا جمہور علما کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی

(۱) صحیح البخاری: ۲۷۳۸، صحیح مسلم: ۴۲۹۱، سنن أبی داود: ۲۸۶۴، سنن

الترمذی: ۹۷۴، سنن النسائی: ۳۶۱۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۹، مسند أحمد: ۲۵۷۸

(۲) مسند أحمد: ۴۲۶۹

|| حُسنِ خاتمہ ||

کا قابلِ وصیت بات کی وصیت کر جانا شرعاً ثابت ہے۔ (۱)

اس سلسلے میں بندے کے ذہنِ فاتر میں یہ آتا ہے کہ جس چیز کی وصیت کی جائے گی، وہ مختلف درجات کی ہوگی: ایک وہ جس کا تعلق کسی امانت، قرض یا کسی دوسرے کے حق سے ہو، ایسی بات کی وصیت واجب ہوگی اور دوسری وہ جس کا تعلق خود کی ذات سے، یا کسی امرِ مستحب یا مباح کے بارے میں ہو، تو اس کی وصیت واجب نہ ہوگی۔ علامہ ابن جریر نے اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ کوئی بات ایسی ہو جس کی وصیت کرنے کی ضرورت ہو، تو وصیت لکھ کر رکھنا چاہیے؛ تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

مؤمن کے لیے موت کے وقت ایک نہایت ہی مبارک و مسعود حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی و مشتاق ہو اور اللہ سے ملنے کے لیے اس کا دل بے چین و مضطرب ہو۔ ایسے اللہ کے بندے سے خود اللہ تعالیٰ بھی ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ » (۲)

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو مکروہ اور برا سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں۔)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔

(۱) فتح الباری: ۳۵۹/۵

(۲) صحیح البخاری: ۶۵۰۷، صحیح مسلم: ۶۹۹۶، سنن النسائی: ۸۲۷، سنن الترمذی: ۱۰۶۶

حُسنِ خاتمہ

اور اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ”بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا“ ہے، تو اللہ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور بندہ نہیں ملنا چاہتا، تو اللہ بھی نہیں ملنا چاہتے اس کی شرح خود حدیث میں فرمادی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عائشہ صدیقہ یا کسی اور زوجہ محترمہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو موت سے نفرت کرتے ہی ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہاں یہ طبعی کراہت مراد نہیں ہے؛ بل کہ مؤمن کو جب موت آتی ہے، تو اسے بشارت سنائی جاتی ہے کہ اللہ تجھ سے راضی ہے اور اس کے اکرام و اعزاز کی بشارت ملتی ہے، تو اس وقت اسے آگے آخرت میں ملنے والی چیزوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی اور بندہ اس وقت اللہ سے ملنا چاہتا ہے اور اللہ بھی بندہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور کافر کو جب موت آتی ہے، تو اسے اللہ کے عذاب اور عقوبت کی خبر سنائی جاتی ہے، تو اس وقت اسے آگے آخرت سے زیادہ کوئی چیز بری نہیں معلوم ہوتی، پس وہ اللہ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتے۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو برا سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ شریح کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ یا ام المؤمنین! میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے، اگر یہی بات ہے، تو پھر ہم تو ہلاک ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو اللہ کے رسول کا فرمان سن کر ہلاک ہوا، وہ حقیقت میں ہلاک ہوا۔ پھر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو یہ فرماتے

(۱) صحیح البخاری: ۶۵۰۷، صحیح مسلم: ۶۹۹۸، سنن الترمذی: ۱۰۶۷، سنن

الدارمی: ۲۷۵۶، شرح السنة: ۱۲۳۹، مسند عبد بن حمید: ۱۸۴

ہیں کہ جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے، اللہ اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو برا سمجھتے ہیں اور ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو برا نہیں سمجھتا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو ہے؛ مگر اس کا مطلب وہ نہیں، جس کی طرف تم گئے ہو؛ بل کہ مراد یہ ہے کہ جس وقت آنکھیں پتھر جائیں گی اور سینے میں دم رک جائے گا اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور انگلیاں ٹیڑھی ہو جائیں گی، اس وقت جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہیں گے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو برا سمجھیں گے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کا اللہ سے ملاقات کا شوق

موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے موت کا شوق کرنے والے اللہ والوں کا ذکر بھی سنتے چلیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جب آخری عمر میں بیمار ہو گئے اور لوگ ان کی زیارت و ملاقات کو آنے لگے، تو حاکم وقت مروان بن الحکم بھی ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور ان کو دعا دیتے ہوئے کہنے لگا کہ اللہ آپ کو شفاء عطا کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّ لِقَاءَكَ، فَأَحِبِّ لِقَائِي.»

(اے اللہ! میں تیری ملاقات کا متمنی ہوں، پس آپ بھی مجھ سے

ملاقات کو پسند فرمائیں) بس یہ کہتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ (۲)

حضرت امیر معاویہؓ کا شوق ملاقات

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ایک روز خطبہ دیا، تو اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی کہ

”قَدْ قِيلَ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، اللَّهُمَّ إِنِّي قَدْ

(۱) صحیح مسلم: ۷۰۰۲، سنن النسائی: ۱۸۳۴، مسند أحمد: ۸۵۳۷

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۲۲۵

أَحْبَبْتُ لِقَاءَكَ فَأَحْبَبْتُ لِقَائِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ.

(کہا گیا ہے کہ جو اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اے اللہ! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں؛ لہذا آپ بھی مجھ سے ملنے کو پسند فرمائیں اور اس میں مجھے برکت نصیب فرمائیں) اسی کے چند دنوں بعد بیمار ہوئے اور آپ کا انتقال ہوا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا شوق ملاقات

اسی طرح حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا بھی حال نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ اپنے مخالفین سے میدان جنگ میں لڑ رہے تھے، تو ایک دن فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اب میری عمر پوری ہوگئی اور میں میرے والد کی عمر سے بھی متجاوز ہو گیا، پھر کہا کہ

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ اَحْبَبْتُ لِقَاءَكَ فَأَحْبَبْتُ لِقَائِیْ، وَ جَاهَدْتُ فِیْكَ عَدُوَّكَ، فَاثْبِنِیْ ثَوَابَ الْمُجَاهِدِیْنَ.“

(اے اللہ! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں؛ لہذا آپ بھی مجھ سے ملنا پسند فرمائیں اور میں نے تیرے دشمنوں سے جہاد کیا ہے، پس مجھے مجاہدین کا ثواب عطا کیجیے) پس اسی روز وہ شہید کئے گئے۔ (۲)

حضرت ابوالحسین نوری بغدادی کا تذکرہ

حضرت امام ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ بغدادی کا شمار اولیائے کبار میں ہوتا ہے، جنہوں نے حضرت سری سقطی اور حضرت ابن ابی الحواری جیسے اہل اللہ کی صحبت پائی تھی، ان کی وفات کے موقع پر حضرت حسین بن الفضیل حاضر تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱) الكامل لابن الأثیر: ۲/۱۲۸، تاریخ الإسلام للذهبی: ۳/۳۱۶، تاریخ ابن

خلدون: ۳/۱۸، مختصر تاریخ دمشق: ۷/۳۵۱

(۲) مختصر تاریخ دمشق: ۴/۱۹۴

سے پوچھا کہ کیا کوئی حاجت ہے؟ کیا کوئی خواہش ہے؟ تو آپ نے سراٹھایا جب کہ زبان ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی اور فرمایا کہ ہاں! خدا کی قسم مجھے ایک بہت بڑی خواہش ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ: اَشْتَهِي أَنْ أَرَى اللَّهَ. “ (میں چاہتا ہوں کہ اللہ کو دیکھوں) پھر تین لمبی لمبی سانسیں لیں جیسے کہ آپ کو وہ چیز مل گئی ہو اور روح قبض ہو گئی۔ (۱) الغرض مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ حال یہ ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کا متمنی ہو۔ اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے رجا اور امید

موت کے وقت انسان کے لیے بڑا پسندیدہ ایک حال یہ ہے کہ وہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امیدوار ہو اور یہ خیال کرے کہ اللہ کی رحمت کے سامنے میرے گناہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ بے پناہ گناہوں کو بھی اپنی رحمت سے معاف کر سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے تین دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

« لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللَّهِ الظَّنَّ. » (۲)

(تم میں سے کسی کو موت نہ آئے؛ مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے

حسن ظن رکھتا ہو۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت ایک مؤمن بندے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھے اور اللہ تعالیٰ سے حسن ظن قائم کرے۔

(۱) طبقات الأولياء لابن الملقن: ۱۱

(۲) صحيح مسلم: ۷۴۱۰، سنن أبي داود: ۳۱۱۵، سنن ابن ماجه: ۴۱۶۷، مسند أحمد: ۱۴۱۵۷،

صحيح ابن حبان: ۶۳۶، مسند أبي داود الطيالسي: ۱۸۸۸، مسند أبي يعلى: ۱۹۰۷، السنن

الكبرى للبيهقي: ۶۸۰۵

حضرت یزید بن الاسود کی امیدِ رحمت

حضرت حیان ابوالنضر کہتے ہیں کہ حضرت واثلہ بن الاسقع ؓ حضرت یزید بن الاسود ؓ کے پاس تشریف لے گئے، جو حالتِ نزع میں تھے اور ان کا چہرہ قبلہ رو کر دیا گیا تھا اور انھیں ہوش نہیں تھا، جب آپ پہنچے، تو فرمایا کہ ان کو آواز دو، ابوالنضر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت یزید ؓ کو آواز دی کہ یہ آپ کے بھائی واثلہ ؓ آئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ہوش برقرار کر دیے اور جب انھوں نے یہ سنا کہ حضرت واثلہ ؓ آئے ہیں، تو وہ حضرت واثلہ کا ہاتھ تلاش کرنے لگے، میں نے حضرت واثلہ کا ہاتھ لے کر ان کے ہاتھ میں رکھ دیا اور وہ ان کا ہاتھ تبرکاً اس لیے پکڑنا چاہتے تھے کہ ان کا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے مس کیا ہوا تھا، پھر وہ حضرت واثلہ کا ہاتھ پکڑ کر کبھی اپنے سینے پر اور کبھی اپنے چہرے اور کبھی اپنے منہ پر پھیرنے لگے۔ حضرت واثلہ نے ان سے کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ مجھے بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارا کیا گمان ہے؟ حضرت ابو الاسود نے کہا کہ مجھے گناہوں نے غرق کر دیا؛ یہاں تک کہ میں ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہوں؛ لیکن میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ یہ سن کر حضرت واثلہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا ”اللہ اکبر“ اور ان کو دیکھ کر وہاں تمام گھر والوں نے بھی ”اللہ اکبر“ کہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں؛ لہذا بندے کو چاہیے کہ مجھ سے اچھا گمان رکھے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو موت کے وقت دیکھو، تو اس کو بشارتیں سناؤ؛ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتا ہو اور جب وہ زندہ ہو، تو اس کو اللہ کا خوف دلاؤ اور شدتِ عذاب کا تذکرہ کرو۔ (۲)

(۱) شعب الإيمان برقم: ۸۷۵، الاربعون الصغری للبيهقي برقم: ۱۲۴، و مثله في مسند أحمد: ۱۲۰۵۹، و صحيح ابن حبان: ۶۴۱، و في المعجم الكبير للطبراني: ۷۹۵۱

(۲) العاقبة في ذكر الموت: ۱۳۵

موت کے وقت سفیان ثوری کی کیفیت

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر جب موت طاری ہوئی اور سکراتِ موت کی شدت ہوئی، تو آپ بہت پریشان ہوئے اور جزع فزع کرنے لگے۔ اتنے میں امام مرحوم بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ! یہ رونا دھونا کیوں ہے؟ اپنے پروردگار کے پاس اطمینان سے جائیے، وہ پروردگار جس کی تم نے ساٹھ برس تک عبادت کی ہے، جس کے لیے روزے رکھے ہیں، جس کی خاطر حج کیے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سفیان کو سکون ملا اور وہ جزع فزع کی کیفیت جاتی رہی۔ (۱)

(۵) خوفِ خداوندی کا غلبہ

موت کے وقت مؤمن کا ایک پسندیدہ حال یہ ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے لبریز ہو اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈر رہا ہو کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان پر پکڑ نہ فرمالے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے، جو مرنے کی حالت میں تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کیسے ہو؟ اس نے کہا کہ: خدا کی قسم! میں اللہ سے امیدوار بھی ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف بھی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ امید اور خوف جس بندے کے دل میں اس موقع پر جمع ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو وہ عطا کرتے ہیں، جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے محفوظ فرما دیتے ہیں، جس کا اسے خوف ہوتا ہے۔ (۲)

ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ ماقبل میں ایک شخص تھا، جسے اللہ نے مال و اولاد سے نوازا تھا، جب وہ مرنے لگا، تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارے حق میں کیسا باپ تھا؟ انہوں نے کہا کہ بڑے

(۱) البداية و النہایة: ۸/۴۷

(۲) سنن الترمذی: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۸۳۴،

مسند أبی یعلیٰ: ۳۳۰۳، مسند عبد بن حمید: ۱۳۷۰

حُسنِ خاتمہ

اچھے باپ تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے کوئی اچھا عمل نہیں کیا ہے، جو اللہ کے پاس کام آئے، اگر مجھے اللہ کے دربار میں پیش کر دیا گیا، تو اللہ مجھے ضرور عذاب دے گا؛ لہذا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دینا اور اس نے اپنے بیٹوں سے اس پر وعدہ و قسم لی اور جب وہ مر گیا، تو اس کی اولاد نے ایسا ہی کیا۔ جب اسے اللہ نے ”کُن“ کہہ کر دوبارہ پیدا کیا، تو اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! تجھے اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ کے خوف کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا اور مغفرت کر دی۔ (۱)

موت کے وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا، تو وہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں موت سے گھبرا کر نہیں رورہا ہوں اور نہ اس لیے کہ میں میرے پیچھے دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ بل کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ (اللہ کی) دو مٹھیاں ہیں: ایک جہنم میں جائے گی اور ایک جنت میں جائے گی، میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں گا؟ (۲)

امام محمد بن المنکدر کا خوف

امام محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک بڑے محدث تھے اور نہایت ورع و تقویٰ کے حامل امام تھے، وفات کے وقت وہ بڑے گھبرا رہے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں اس قدر گھبرا رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ایک آیت کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾

(اور ان لوگوں کے لیے اللہ کی جانب سے وہ وہ عذاب کی صورتیں

(۱) صحیح البخاری: ۶۰۰۰، مسند أحمد: ۱۱۷۵۳، مشکل الآثار: ۵۵۹

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ۱۶۷۷۸، شعب الإيمان: ۸۱۵، الإيمان لابن مندہ: ۲۳۹/۱

ظاہر ہوں گی، جن کا انھیں کبھی گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔)
 پھر کہنے لگے کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے لیے بھی اللہ کی جانب سے وہ عذاب نہ
 ظاہر ہو جائے، جس کا مجھے گمان بھی نہیں ہے۔ (۱)
 الحاصل موت کے وقت مؤمن کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہونا چاہیے، جس طرح امید بھی
 ہونی چاہیے۔

(۶) صبر و ضبط اور اس پر امیدِ ثواب

یہ معلوم ہے کہ موت کے وقت مؤمن کو بھی سکرات و غمرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور
 موت کی سختیاں اس کو پریشان کرتی ہیں؛ مگر ایسے وقت اپنے آپ کو صبر کی صفت سے
 متصف رکھنا چاہیے۔ موت کی سختی بھی دراصل مؤمن کے گناہوں کا کفارہ یا اس کے
 درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہے۔

خود حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی موت کی سختی پیش آئی، یہاں تک کہ حضرت عائشہ
 صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ کے وصال کے وقت آپ کے سامنے ایک پانی کا پیالہ تھا،
 جس میں آپ ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے کو پونچھتے تھے اور ”لا إله إلا الله“ کہتے جاتے
 تھے اور فرماتے کہ موت کی سختیاں ہوتی ہیں اور آپ ”الرفیق الأعلى“ کہتے ہوئے، اس
 دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ (۲)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ اس وقت یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اے
 اللہ! موت کی سختی میں میری مدد فرما۔ (۳)

(۱) صفة الصفوة: ۱۴۴/۲

(۲) صحيح البخاري: ۶۵۱۰

(۳) سنن الترمذي: ۹۷۸، سنن ابن ماجه: ۱۶۲۳، مسند أحمد: ۲۴۴۱۰۱، السنن

الكبرى للنسائي: ۷۰۶۴

جب آپ ﷺ کو یہ سختی پیش آئی ہے، تو دوسروں کو بھی پیش آئے گی؛ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ

«مَا أَغْبَطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.» (۱)

(رسول اللہ ﷺ پر موت کی شدت کو دیکھنے کے بعد میں کسی کی موت کی آسانی دیکھ کر رشک نہیں کرتی۔)

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح فرمایا کہ

«وَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ.» (۲)

(جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ پر موت کی شدت کو دیکھا، تو میں کسی پر موت کی شدت کو برا نہیں سمجھتی۔)

الغرض موت کی شدت بہت سے لوگوں کو ہوتی ہے اور خود حضرت رسالت مآب ﷺ کو بھی پیش آئی ہے اور موت کی سختی یا تو اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں، جیسے حضرات انبیا اور اولیا کے حق میں ہوتا ہے، یا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس شدت اور سختی کو انسان کے گناہوں کا کفارہ بنادینا چاہتے ہیں، جیسے کہ عام مومنین کے حق میں ہوتا ہے۔

بہر حال اس وقت مریض کو چاہیے کہ وہ صبر کے فضائل کا دھیان کرے، جو احادیث میں وارد ہیں۔ مثلاً:

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا

دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ.» (۳)

(۱) سنن الترمذی: ۹۹۵

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۶۹

(۳) سنن الترمذی: ۹۸۰، مسند أحمد: ۲۴۲۰۲، مسند إسحاق: ۱۵۴۹، مصنف ابن أبي شيبة: ۱۰۹۰۶

(مؤمن کو کوئی کانٹا یا اس سے بھی کم درجے کی کوئی چیز نہیں چبھنے پاتی؛ مگر اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بڑھا دیتے اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔)
ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ، وَلَا حَزَنٍ، وَلَا وَصَبٍ؛ حَتَّىٰ اللَّهُمَّ يَهْمُهُ، إِلَّا يُكَفِّرُ اللَّهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ. » (۱)
(مؤمن کو پریشانی اور غم اور تکلیف میں سے کچھ بھی پہنچتا ہے، یہاں تک کہ کوئی بات جس کا اسے فکر ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا اسے کفارہ بنا دیتے ہیں۔)

موت کی شدت میں اہل اللہ کی کیفیت

ان احادیث میں دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر کا بڑا عظیم اجر و ثواب بتایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں موت کے وقت کی سختی و پریشانی بھی داخل ہے اور اس پر صبر بھی اسی طرح باعثِ اجر و ثواب ہے، جس طرح کہ دیگر مصائب پر صبر۔ ان ہی احادیث کے پیش نظر اہل اللہ کا حال ایسے وقت یہ ہوتا تھا کہ وہ صبر و تحمل کرتے اور راضی بہ رضا رہتے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ میں اہل اللہ کے واقعات اتنی کثرت کے ساتھ ملتے ہیں، جن کا احصاء و احاطہ ناممکن معلوم ہوتا ہے، لہذا دو چار واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

حضرت سیار بن سلامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت ان کے پاس گیا، ان پر موت کی سختیاں پڑ رہی تھیں، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ جو اللہ کو پسند ہے، وہی مجھے بھی پسند ہے۔ (۲)

(۱) سنن الترمذی: ۹۸۱

(۲) الثبوت عند الممات: ۳۹

اسی طرح مشہور تابعی بزرگ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حال لکھا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان پر بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی اور جب بھی کچھ ہوش آتا تو وہ کہتے کہ ”امر خداوندی پر میں راضی ہوں اور صبر کرتا ہوں اور امیدِ ثواب رکھتا ہوں؛ یہاں تک کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔“ (۱)

کہتے ہیں کہ بصرہ کے ایک عابد و زاہد شخص کا انتقال ہونے لگا اور سكراتِ موت میں شدت ہونے لگی، تو لوگوں نے ان کے حق میں دعا کی کہ اے اللہ! ان کو اس سے راحت عطا فرما، وہ زاہد آدمی کہنے لگے کہ خدا کی قسم! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا دم قیامت تک گھٹتا رہے، کیوں کہ اصل بلا و مصیبت تو موت کے بعد ہے اور موت بندے پر آنے والی مصیبت میں ہلکی مصیبت ہے۔ (۲)

حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے روایت بھی کیا ہے، ان کے بارے میں حضرت عاصم بن قرہیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ ان کی خدمت میں گئے، جب کہ ان پر سكراتِ موت طاری تھی، بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ موت کی شدت محسوس کر رہے ہیں؟ تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہاں! یہ تو ہے؛ لیکن مؤمنین کو چاہیے کہ وہ موت کی سختی اور تکلیف میں تسلی رکھیں؛ کیوں کہ ان تکالیف کی وجہ سے وہ اللہ سے ملاقات کا سرور پاتے ہیں۔ (۳)



(۱) الثبات عند الممات: ۱۳۶

(۲) المجالسة للدينوري: ۲۸۵۶

(۳) الثبات عند الممات: ۱۵۱

فصل ہفتم

حسنِ خاتمہ کی علامات

حسنِ خاتمہ اور نیک انجام تو درحقیقت ایک مخفی امر ہے، جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہوتے ہیں یا وہ شخص جس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے؛ لیکن اس مخفی امر پر کچھ علامات ہیں، جن سے ایک شخص کے نیک انجام اور حسنِ خاتمہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علمائے کرام نے حسنِ خاتمے کی چند علامات بیان کی ہیں، یہاں ان میں سے چند اہم علامات بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی علامت - موت کے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

ایک علامت یہ ہے کہ مرنے والا کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر جائے، جیسا کہ حدیثِ رسول میں ہے کہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. »
(جس شخص کا آخری کلام: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا آخری کلام کلمہ توحید ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہوگا، یہ اس بات

(۱) سنن أبي داود: ۳۱۱۸، مسند أحمد: ۲۲۰۸، مسند البزار: ۲۶۲۶، المستدرک للحاکم: ۱۲۹۹، المعجم الكبير للطبرانی: ۱۶۶۳۵

کی علامت سمجھی جائے گی کہ وہ حسن انجام کو پہنچ گیا اور اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

چند اہم فوائد

اس موقع پر چند اہم فوائد کا ذکر کر دینا مناسب ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اس حدیث میں جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے کیا صرف اتنا ہی پڑھنا مراد ہے اور صرف اتنا پڑھنے پر یہ فضیلت اس کو مل جائے گی، یا اس سے مراد پورا کلمہ شہادت: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ ہے؟ اس سلسلے میں علما کی آراء مختلف ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اتنا ہی کلمہ: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے کہ اگر اتنا پڑھ لیا، تو اس کو یہ بشارت مل جائے گی، جب کہ بہت سے علما کی رائے یہ ہے کہ کلمے کے دونوں جز مراد ہیں؛ مگر چوں کہ عام طور پر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ پورا کلمہ پڑھا جائے، اس لیے حدیث میں صرف ایک جز کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

چنانچہ امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے ”روضۃ الطالبین“ اور علامہ خطیب شربنی نے ”الإقناع“ میں تلقین میت کے سلسلے میں دونوں اقوال کا تذکرہ کیا ہے اور جمہور کا یہی قول نقل کیا ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کی جائے اور دوسرا قول ایک جماعت علما کا یہ نقل کیا ہے کہ اس کے ساتھ ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کی بھی تلقین کی جائے اور لکھا ہے کہ اسی کی تصریح قاضی ابوالطیب، ماوردی، سلیم رازی، نصر المقدسی، ابوالعباس الجرجانی اور شاشی نے کی ہے؛ مگر پہلا قول ہی اصح ہے۔ (۱)

امام زین الدین بن المنیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ اس سے مراد پورا کلمہ ہے۔ (۲)

نیز حضرات علما و فقہانے جہاں تلقین کا ذکر کیا ہے، وہاں اکثر نے یہی لکھا ہے کہ کلمے کے دونوں جز کی تلقین کی جائے؛ چنانچہ البحر الرائق، الجوہرۃ النيرة وغیرہ کتب میں عموماً

(۱) روضۃ الطالبین: ۹۷/۲، الإقناع: ۱۷۹/۱

(۲) فتح الباری: ۱۱۰/۳، تحفة الأحوذی: ۵۲/۴، عون المعبود: ۳۸۶/۸

یہی لکھا ہے، اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مراد حدیث دونوں جزوں کا ورد ہے۔ (۱)
 (۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ بشارت دراصل اس بات پر ہے کہ آدمی کا انتقال کلمہ
 توحید و اسلام پر ہو؛ لہذا یہ کلمہ خواہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہو یا اور کوئی کلمہ ہو، جو اس پر دلالت کرتا
 ہو، سب کا حکم یہی ہے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ”حدیث کی مراد یہ ہے کہ آخری کلام ایسا ہو، جو توحید
 پر دلالت کرتا ہو، خواہ کسی بھی ذکر و عبادت کے ذریعے ہو، یہ مراد نہیں کہ خاص کلمہ طیبہ ”لَا
 إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہی کہا جائے؛ کیوں کہ مقصود تو معانی ہوا کرتے ہیں، نہ کہ الفاظ اور اس بات کی
 تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام تو ”الرفیق الاعلیٰ“ تھا؛ مگر
 چوں کہ یہ کلام دراصل کمالِ توحید کا ثمرہ ہے، اس لیے یہ توحید پر بہ تمام و کمال دلالت کرنے
 والا ہے۔ (۲)

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو کلمہ توحید پر مرنے کی یہ بشارت سنائی
 گئی ہے، یہ اس صورت میں ہے؛ جب کہ ایک شخص کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی دنیوی کلام نہ
 کرے اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد دنیوی کلام کر دیا، تو وہ بشارت اسے نہ ملے گی؛ اس لیے علما
 نے لکھا ہے کہ ایک بار کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے کوئی دنیوی بات چیت کر دی، تو دوبارہ
 اسے تلقین کرنا چاہیے؛ تاکہ یہ فضیلت اس کو مل جائے۔

چنانچہ امام قاضی عیاض ”إكمال المعلم شرح مسلم“ میں رقم طراز ہیں کہ
 ”و جعلوا الحد في ذلك إذا قالها مرة ألا يُكرّر عليه إلا
 أن يتكلم بكلام آخر، فيُعاد عليه، حتى يكون آخر كلامه ؛
 ليرجى له بذلك الدخول في قوله: (مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ : لَا
 إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ)“

(۱) البحر الرائق: ۱۸۴/۲، الجوهرۃ النيرة: ۳۹۷/۱، درر الحکام شرح غرر الأحکام: ۲۴۴/۲

(۲) حاشیة العلامة السندی علی البخاری: ۱۴۹/۴

(ایک بار کلمہ پڑھنے کے بعد دوبارہ نہ کہلوانے کے لیے علما نے حدیث مقرر کی ہے کہ وہ دنیوی بات چیت نہ کرے؛ لہذا اگر بات چیت کیا، تو دوبارہ لوٹایا جائے گا؛ تاکہ اس کا آخری کلام کلمہ ہو؛ تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس قول: (مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ) میں داخل ہونے کا امیدوار ہو سکے۔) (۱)

(۴) ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ علمائے کرام نے اس بارے میں کلام کیا ہے کہ اس حدیث میں جو بشارت وارد ہوئی ہے کہ ”جس کا آخری کلام ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہوگا، اس کے لیے جنت ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کو پڑھتا ہوا انتقال کر جائے اور بعض نے کہا کہ خواہ وہ ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے انتقال کرے یا اس عقیدے پر اس کا انتقال ہو، یہ بشارت دونوں کو ملے گی؛ لہذا کوئی شخص اگرچہ کہ ان الفاظ کو زبان سے نہ پڑھے؛ مگر اسی عقیدہ توحید پر مرے، تو وہ بھی جنتی ہے اور یہ اس کے حسن خاتمہ کی دلیل ہے۔

مگر محققین حضرات نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جس بشارت کا ذکر ہے، اس سے مراد کلمہ توحید پڑھتے ہوئے موت کا آنا ہے اور یہی دراصل وہ فضیلت ہے، جس کی وجہ سے اسے یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ باقی وہ شخص جس کا توحید اور اسلام پر ایمان تھا اور وہ موت کے وقت کسی وجہ سے کلمہ نہیں پڑھ سکا، تو وہ بھی ضرور جنت میں جائے گا؛ مگر اس کو وہ فضیلت نہیں ملے گی، جو اس حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

”وَيُنَزَّلُ حَدِيثُ: (مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) خُصُوصاً لِمَنْ كَانَ هَذَا آخِرَ نُطْقِهِ وَخَاتِمَةَ لَفْظِهِ، وَإِنْ كَانَ قَبْلُ مُخْلَطًا، فَيَكُونُ سَبَبًا لِرَحْمَةِ اللَّهِ لَهُ، وَنَجَاتِهِ رَأْسًا مِنْ

النار و تحريمه عليها، بخلاف من لم يكن ذلك آخر كلامه من الموحدين الْمُخْلِطِينَ. (۱)

(اور اس حدیث کو کہ ”جس کا آخری کلام ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہو، وہ جنت میں جائے گا خاص طور پر اس شخص پر محمول کیا جائے گا، جس کی آخری گفتگو اور خاتمہ کلام یہ کلمہ ہو، اگرچہ کہ اس سے پہلے وہ ایمان کے ساتھ برائیاں بھی کیوں نہ کرتا رہا ہو؛ لہذا یہ کلمہ ”توحید اس کے حق میں اللہ کی رحمت کا اور یکسر دوزخ سے نجات کا اور دوزخ کے اس پر حرام ہونے کا سبب ہوگا؛ برعکس ان توحید پرست گناہ گاروں کے جن کا آخری کلمہ یہ نہ ہو۔) علامہ نووی شارح مسلم نے اس سے اتفاق بھی کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”یہاں کلمے سے ایمان اور عقیدے کے اظہار کے لیے کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے؛ بل کہ یہاں نیک اعمال میں سے ایک عمل اور حسنات میں سے ایک نیکی (یعنی ذکر) مراد ہے، جس کا اجر دنیا سے چلتے وقت پڑھنے پر نجات کی صورت میں ملے گا اور یہ ایک فضیلت ہے، اس شخص کی جس کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جائے۔“ (۲)

(۵) اس حوالے سے ایک پانچواں فائدہ یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بشارت و فضیلت اس شخص کے حق میں بیان کی گئی ہے، جو کلمہ ”توحید پڑھتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہوتا ہے اور یہاں مراد ایمان اور عقیدے کے واسطے اس کلمے کا پڑھنا نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تو اس کو پہلے سے حاصل ہے، تو یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی مسلمان آدمی اس طرح انتقال کر گیا کہ اس کی زبان پر یہ کلمہ نہیں آیا، تو اس کو -نعوذ باللہ- برا نہیں سمجھ سکتے؛

(۱) إكمال المعلم شرح مسلم للقاضي عياض: ۲۵۵/۱

(۲) فيض الباري شرح البخاري: ۵۷/۲، ۳۲۸/۱

حُسنِ خاتمہ

کیوں کہ جب وہ مسلمان ہے، تو ضرور جنتی ہے، خواہ جلدی داخل ہو، یا بہ دیر داخل ہو۔ مثلاً بعض لوگ بے ہوشی میں یا سوتے ہوئے انتقال کر جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کلمہ پڑھنا ان کو نصیب نہیں ہوتا؛ مگر اس کی وجہ سے ان کو بُرا نہیں سمجھ سکتے۔

(۶) مرنے والے انسان کو کلمے کی تلقین کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے؛ تاکہ وہ یہ کلمہ پڑھتے ہوئے انتقال کرے اور اس کو یہ فضیلت حاصل ہو اور اس لیے بھی کہ اس وقت شیطان اس کو بہکانے کی بڑی کوشش کرتا ہے؛ لہذا اس موقع پر کوئی یاد دہانی کرنے والا ہونا مناسب ہے۔

چنانچہ متعدد صحابہ کرام سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. » (۱)

(اپنے مرنے والے لوگوں کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو!)

ایک اور حدیث میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِنَّهُ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلِمَتِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِنْدَ الْمَوْتِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ، وَإِنْ أَصَابَهُ قَبْلَ ذَلِكَ مَا أَصَابَهُ.

(اپنے مرنے والوں کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو، کیوں کہ جس کا

آخری کلام موت کے وقت ”لا اله الا الله“ ہوگا، وہ کسی نہ کسی زمانے میں

جنت میں داخل ہوگا؛ اگرچہ کہ اس سے پہلے اس نے جو بھی کیا ہو۔) (۲)

ان احادیث کی وجہ سے حضرات علمائے کرام نے کہا ہے کہ مرنے والے آدمی کو کلمے کی تلقین کرنا مستحب ہے اور بعض نے اس کو واجب بھی مانا ہے، جیسا کہ علامہ ہسکفی و علامہ

(۱) صحیح مسلم ۲/۲۱۶، سنن أبی داود ۵/۳۱۱۹، سنن الترمذی ۶/۹۷۶، سنن النسائی ۱/۸۲۶،

سنن ابن ماجہ ۱/۴۴۴، صحیح ابن حبان ۳/۳۰۰، المنتقى لابن الجارود: ۴۹۸

(۲) صحیح ابن حبان ۳/۳۰۰

حَسَن خَاتِمہ

شامی نے نقل کیا ہے؛ مگر شامی نے ”النہر الفائق“ سے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کو واجب کہنا مجاز ہے؛ کیوں کہ ”درایہ“ میں تلقین کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۱)

ہاں! ایک بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ تلقین کا انداز یہ نہیں کہ مرنے والے کو حکم دیا جائے کہ کلمہ پڑھو، کلمہ پڑھو اور اس پر اسے زور دیا جائے؛ نہیں! بل کہ کلمے کی تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے بہ آواز بلند کلمہ پڑھا جائے؛ تاکہ وہ بھی سن کر پڑھنے لگے اور جب وہ ایک بار پڑھ لے، تو دوبارہ اس کو پڑھنے کے لیے مجبور نہ کرے، اسی طرح تلقین میں کلمہ پڑھنے پر اصرار بھی نہ کیا جائے؛ کیوں کہ موت کا وقت مرنے والے کے لیے بڑی مشکل کا ہوتا ہے، کہیں وہ انکار نہ کر دے۔ علمائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ (۲)

اور حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تُمْلَوْهُمْ. » (۳)

(اپنے مرنے والے لوگوں کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو اور ان کو تنگ نہ کرو۔)

امام دیلمی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

”لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تُمْلَوْهُمْ؛ فَإِنَّهُمْ فِي

سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.“ (۴)

(اپنے مرنے والوں کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو اور ان کو تنگ نہ

کرو؛ کیوں کہ وہ اس وقت موت کی سكرات یعنی سختیوں میں ہوتے ہیں۔)

(۱) رد المحتار علی الدر المختار للشامی: ۱۹۰/۲

(۲) البحر الرائق: ۱۸۴/۲، الجوهرة النيرة: ۱/۳۹۷، العناية شرح الهداية: ۲/۶۱۲

(۳) فوائد الإمام تمام: ۱۱۴۳، فضل التهليل للإمام ابن البناء: ۲۳

(۴) جامع الأحادیث: ۱۸۵۷۹، كنز العمال: ۳۲۲۰۳

حَسَنِ خَاتِمَہ

ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ مرنے والے پر موت کی سختیاں آتی ہیں؛ لہذا اس وقت تلقین میں اصرار نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابن المبارک کا واقعہ

حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب ان پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی، تو لوگ ان کو کلمے کی تلقین کرنے لگے اور حضرت نے کلمہ پڑھ دیا؛ مگر لوگ پھر بھی تلقین کرتے جا رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے ایک بار کلمہ پڑھ دیا تو وہ کافی ہے، میں جب تک کوئی دنیوی گفتگو نہ کروں، میں اسی پر باقی ہوں۔ (۱)

دوسری علامت - طاعت و نیکی پر موت ہونا

حسنِ خاتمے کی دوسری علامت یہ ہے کہ انسان کو موت نیکی و طاعت کی حالت میں آئے، جیسے نماز پڑھتے ہوئے یا روزے کے ساتھ یا ذکر و تلاوت کرتے ہوئے، تو یہ بھی علامت ہے کہ یہ بندہ حسنِ انجام کو پہنچا ہے اور ایمان پر اس کی موت واقع ہوئی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.» (۲)

(ہر بندہ اسی حالت پر اٹھایا جاتا ہے، جس پر اس کی موت ہوئی ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ!

وَكَيْفَ يَسْتَعْمَلُهُ؟ قَالَ: يُؤَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ. (۳)

(اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کو کام

(۱) فتح الباری: ۱۰۹/۳، البحر الرائق: ۱۸۴/۲

(۲) صحیح مسلم: ۷۴۱۳، مسند أحمد: ۱۴۵۸۳، صحیح ابن حبان: ۷۳۱۹، مسند

أبي يعلى: ۱۹۰۱، المستدرک للحاکم: ۳۶۸۸

(۳) مسند أحمد: ۱۲۲۳۵، مسند أبي يعلى: ۳۷۵۶

میں لگا دیتے ہیں، صحابہ نے پوچھا کہ کس طرح کام میں لگا لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اسے نیک عمل کی توفیق دیتے ہیں اور پھر اسی پر اس کو موت دیتے ہیں۔)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
 « إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَسَلَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا عَسَلَهُ؟ قَالَ: يُوفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ. » (۱)
 (اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ خیر و بھلائی چاہتے ہیں، تو اس کو محبوب بنا لیتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ کس طرح محبوب بنا لیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اس کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور اسی پر اس کو موت دیتے ہیں۔)

ان احادیث میں سے پہلی حدیث کے دو مطالب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہر بندہ اپنے اس عقیدے کے مطابق قیامت میں اٹھایا جاتا ہے، جس پر اس کی موت ہوئی ہے اور دوسرے یہ کہ ہر بندہ اسی عمل پر اٹھایا جاتا ہے، جس کو انجام دیتے ہوئے، اس کی موت ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور اسے نیک ہونے کی حالت میں موت دیتے ہیں اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کو نیکی کرتے ہوئے موت دیتے ہیں۔ اس مفہوم کے لحاظ سے نیکی و طاعت بجالاتے ہوئے، موت کا آنا حسن انجام کی علامت ہے۔

نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں ایک صحابی کا قصہ آیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں اپنے اونٹ پر سوار تھے کہ اچانک گر پڑے اور اونٹ نے ان کی گردن پر پیر رکھ دیا اور وہ انتقال کر گئے۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ

«اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفَّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تَمْسُوهُ طَبِيبًا،

وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، وَلَا تَحْنُطُوهُ؛ فَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًّا. «(۱)

(ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور خوشبو نہ لگاؤ اور ان کے سر کو ڈھانپ نہ دو اور کافور وغیرہ بھی نہ لگاؤ؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ تلبیہ پڑھتے ہوں گے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی طاعت و نیکی پر مرتا ہے، تو وہ اسی حالت میں اٹھایا جاتا ہے؛ لہذا حج کرتا ہوا مرجائے، تو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

بخاری و مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« لَا يُكَلِّمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَتَعَبُ، اللَّوْنُ لَوْ نُ دَمٌ، وَالرَّيْحُ رِيحُ مِسْكِ. »

(کوئی شخص اللہ کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے؛ مگر وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے زخم سے خون رس رہا ہوگا، جس کا رنگ تو خون کا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔) (۲)

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص جس نیکی و طاعت پر مرتا ہے، وہ اسی طاعت و نیکی کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے اور جب وہ نیکی و طاعت پر اٹھایا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں اور وہ نیک لوگوں میں شمار ہوتا ہے؛

(۱) صحیح البخاری: ۱۸۵۰، صحیح مسلم: ۱۹۲۸، سنن ابی داؤد: ۳۲۲۰، سنن

النسائی: ۲۸۵۵، سنن الترمذی: ۹۵۱

(۲) صحیح البخاری: ۲۸۰۳، صحیح مسلم: ۴۹۷۰، سنن الترمذی: ۱۶۵۶، سنن

النسائی: ۳۱۴۷، مسند احمد: ۷۳۰۰، صحیح ابن حبان: ۴۶۵۲

لہذا طاعت و نیکی کی حالت میں مرنا بھی حسن انجام کی ایک علامت ہوئی۔

طاعت پر وفات پانے والوں کے چند واقعات

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہل اللہ کے واقعات کا تذکرہ کر دیا جائے؛ جنہوں نے طاعت و نیکی کی حالت پر اس دنیا سے کوچ کیا اور تاریخ نے ان کے احوال کو منضبط کیا ہے۔

اس سلسلے میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو بے شمار واقعات ایسے لوگوں کے مل سکتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی کہ وہ یہاں سے جاتے ہوئے عبادت و طاعت، نیکی و خیر کے کام انجام دیتے ہوئے اس کی بارگاہ قدس میں حاضری دیں، لیکن یہاں سب کا حاطہ مقصود نہیں؛ بل کہ نمونے کے طور پر اور ترغیب کے لیے چند منتخب واقعات کا ذکر کرتا ہوں:

حضرت عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

امام ربانی حضرت عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا انتقال اس شان کے ساتھ ہوا کہ آپ نے حالت نزع میں جب مغرب کے وقت مؤذن کی آواز سنی؛ تو ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑو اور مسجد لے چلو۔ احباب اور اہل خانہ نے عرض کیا کہ آپ تو علیل ہیں؟ فرمایا کہ میں اللہ کے منادی کی آواز سنوں اور اس کی جانب نہ جاؤں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پس لوگ ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کو لے گئے اور وہ مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے اور ایک رکعت ہوئی تھی کہ اسی حالت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

فقہ ابو الفتح نصر بن ابراہیم المقدسی رحمۃ اللہ علیہ

امام فقہ ابو الفتح نصر بن ابراہیم المقدسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بڑے امام فقہ گزرے ہیں، شافعی مسلک کے مطابق عمل کرتے تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی وفات کا واقعہ ان کے ایک تلمیذ علامہ نصر نے بیان کیا ہے کہ وفات سے ایک گھڑی قبل انہوں نے

کسی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں بھی مامور ہوں اور تم بھی مامور ہو۔ پھر عصر کی اذان ہونے لگی، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! اذان ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ مجھے بٹھا دو، جب بٹھا دیے گئے؛ تو نماز کی تکبیر باندھ لی اور ہاتھ اٹھا کر ایک پر دوسرے کو رکھا اور نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے۔ (۱)

حضرت امام ابراہیم بن ہانی نسیسا پوری رحمہ اللہ

حضرت امام ابراہیم بن ہانی نسیسا پوری رحمہ اللہ بہت بڑے عالم، محدث اور ابدالِ زمانہ تھے، ان کے وصال کا حال ان کے ایک متعلق امام ابو بکر نسیسا پوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ روزے کی حالت میں تھے اور اپنے صاحب زادے اسحاق سے کہہ رہے تھے کہ پردہ ہٹاؤ۔ بیٹے نے کہا کہ پردہ تو ہٹا ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ صاحب زادے نے پانی لا کر پیش کیا، تو پوچھا کہ کیا سورج غروب ہو گیا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں! تو فرمایا کہ پھر تو رہنے دو اور پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾ اور تلاوت کرتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ (۲)

حضرت مرشدی مسیح الامت جلال آبادی رحمہ اللہ

میرے استاذ اور شیخ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے، آپ کے وصال کا واقعہ بھی بڑا حیرت انگیز اور روح پرور ہے۔

آخری زندگی میں آپ کو متعدد بیماریوں نے گھیر لیا تھا اور کمزوری و ضعف انتہائی درجے کو پہنچا ہوا تھا، خود یہ احقر آپ کے وصال سے صرف پندرہ روز پہلے آپ کے پاس ایک ماہ قیام کر کے آیا تھا اور اس وقت میں دیکھتا تھا کہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۷/۱۷۷

(۲) تاریخ بغداد: ۶/۲۰۴

سے بھی معذور تھے، یہاں تک کہ اپنے ہاتھ بھی کسی سے مصافحے کے لیے نہیں بڑھا سکتے تھے؛ مگر جس رات وصال ہوا، تو آپ سوچکے تھے اور آپ کے خادم مولانا عنایت اللہ لندن فی بھی سوچکے تھے، مولانا عنایت اللہ صاحب نے کافی رات گئے محسوس کیا کہ ذکر کی آواز آرہی ہے، بیدار ہوئے، تو دیکھا کہ حضرت والا بیٹھے ہوئے ذکر جہری میں مشغول ہیں۔ مولانا کو یہ بات عجیب لگی کہ آپ کمزوری کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور تھے، تو کس طرح آپ اٹھ کر بیٹھ گئے! انھوں نے حضرت کے صاحب زادے حضرت مولانا صفی اللہ خان صاحب کو بیدار کیا اور دوسرے حضرات کو بھی بیدار کیا اور اطلاع کی۔ وہ سب لوگ جمع ہوئے اور حضرت سے بات کرنا چاہا؛ مگر ایسا معلوم ہوا کہ آپ کسی اور عالم میں مشغول ہیں اور اس عالم ناسوت سے گویا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ الغرض برابر ایک گھنٹے تک ذکر جہری میں مشغول رہے اور اسی حال میں جان جان آفریں کو سپرد کردی۔

حضرت مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عالمِ اسلام کی معروف و مستند شخصیت مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات بھی قابلِ رشک موت تھی۔

آپ کی وفات قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے ہوئے واقع ہوئی، یہ جمعہ کا دن تھا اور آپ نے دوسروں کے سہارے غسل فرمایا اور ان متعلقین حضرات سے فرمایا کہ تم ہی لوگوں کا کام ہے کہ غسل کرادیتے ہو۔ پھر یہ کہہ کر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر کیا ہوا؟ اس کو حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کی زبانی سنئے:

”وہ بیان کرتے ہیں کہ خدام جلدی جلدی کپڑے پہنانے لگے، حضرت نے فرمایا کہ جمعہ میں کچھ تاخیر ہو سکتی ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ جب حضرت پوری طرح فارغ ہو جائیں گے تب ہی جمعہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ عبد اللہ سے کہہ دینا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ جب شیروانی پہنائی

جانے لگی، تو فرمایا کہ وقت کم ہے، جلدی سے قرآن مجید دے دو، ﴿سُورَةُ الْكَهْفِ﴾ پڑھنی ہے۔ پھر حضرت کو اندازہ ہو گیا کہ وقت اس سے بھی کم ہے، اس لیے خود ﴿سُورَةُ الْيَسِنِ﴾ شروع فرمادی۔ خدام کو اس وقت بھی اندازہ نہ ہوا، شیروانی پہنا کر بٹن بھی لگا دئے گئے، موزے بھی پہنا دئے گئے۔ حضرت قبلہ رو بستر پر تشریف فرماتے تھے، ﴿سُورَةُ الْيَسِنِ﴾ کی تلاوت کو شروع کیے ہوئے شاید آدھا منٹ بھی نہ ہوا ہوگا، رومال تہ کر کے سر مبارک پر ڈالا ہی گیا تھا کہ اچانک حضرت کا جسم مبارک پشت کی طرف ڈھلکنے لگا۔ خدام نے سہارا دے کر جب سیدھا کیا تو چہرہ مبارک سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ حضرت دوسرے عالم کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔“ (۱)

رفیق محترم حضرت مولانا عطاء اللہ قاسمی رحمہ اللہ

ہمارے دوست حضرت مولانا عطاء اللہ شریف صاحب قاسمی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور متعدد مدارس میں قرآن و علم دین کی خدمت کرتے رہے اور آخر میں ”مسجد منہاج، منہاج نگر، بنگلور“ میں فرائض امامت و خطابت پر کئی سال تک مامور رہے، ان کی وفات کا قصہ بھی حیرت انگیز ہے کہ آپ عشا کی نماز پڑھا رہے تھے اور نماز کی پہلی رکعت میں ﴿سُورَةُ النَّازِعَاتِ﴾ کا پہلا رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں اسی کا دوسرا رکوع پڑھتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ، فَإِنَّ

الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى.﴾

(اور وہ شخص جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کھائے اور اپنے

نفس کو خواہش سے روکے، اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔)

حَسَن خَاتِمہ

تو گر پڑے اور روح قبض ہو گئی۔ ماشاء اللہ! کس قدر پیاری موت آئی! اللہ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور ہمیں بھی ایسی پیاری موت عطا فرمائے۔

تیسری علامت - پیشانی پر پسینا آنا

حسنِ خاتمہ کی علامات میں سے ایک اہم علامت یہ ہے کہ مرنے والے کی پیشانی پر پسینا آ جائے۔ یہ پسینے کا موت کے وقت نکلنا اس بات کی علامت ہے کہ موت اچھی اور بالخیر ہوئی ہے اور مرنے والا اللہ کے یہاں قابلِ تکریم ہے۔

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنْ الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ . » (۱)

(بلاشبہ مؤمن پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرتا ہے۔)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت امام بزار نے اپنے

مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کی ہے۔ (۲)

روایات میں آیا ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ایک مرض الموت میں مبتلا شخص کی عیادت کے

لیے خراسان گئے، تو اس کی پیشانی پر پسینا دیکھا، تو انھوں نے وہاں یہ حدیث سنائی۔ (۳)

ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ ایک بار ایک شخص کے پاس گئے، جو

موت و حیات کی کشمکش میں تھا، آپ نے دیکھا کہ اس کی پیشانی سے پسینا نکل رہا ہے، یہ

دیکھ کر وہ ہنسنے لگے، یزید بن اوس نے پوچھا کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں

نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مؤمن کی روح

پسینا بہاتے ہوئے نکلتی ہے۔“ (۴)

(۱) سنن الترمذی: ۹۸۲، سنن النسائی: ۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۲۵۲، مسند أحمد: ۲۳۰۱۲،

صحیح ابن حبان: ۳۰۱۱، مسند الطیالسی: ۸۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۹۶۸

(۲) مسند البزار: ۱۵۳۰، مصنف ابن أبی شیبہ: ۶۷۷۲

(۳) مسند أحمد: ۲۳۰۹۷، مسند الطیالسی: ۸۲۶

(۴) مصنف ابن أبی شیبہ: ۶۷۷۲

امام ابن النجّاز کا ایک واقعہ

حضرت ابو بکر عامری معروف بہ ابن النجّاز رحمہ اللہ بڑے عالم و فاضل تھے، جب ان کا انتقال ہونے لگا، تو بہت سے علمائے کرام و مشائخِ عظام جمع تھے، انھوں نے کہا کہ کوئی نصیحت کیجیے۔ آپ نے ان کو تقویٰ کی نصیحت کی اور فرمایا کہ اس موقع یعنی موت سے ڈرو۔ پھر لوگوں سے کہا کہ کیا میری پیشانی پر پسینا ہے؟ کہا گیا کہ ہاں ہے، تو فرمایا کہ الحمد للہ! یہ مؤمن کی علامت ہے۔ (۱)

مؤمن کو موت کے وقت پسینا کیوں آتا ہے؟

یہاں یہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ حضراتِ علما نے یہاں بحث کی ہے کہ مؤمن کو موت کے وقت پسینا کیوں آتا ہے؟ اس سلسلے میں متعدد باتیں کہی گئی ہیں:

(۱) علامہ ابن الملک نے کہا کہ مؤمن کو موت کی سختی اس لیے پیش آتی ہے؛ تاکہ اگر اس کے گناہ ہوں، تو ان کو دھو دیا جائے اور اگر گناہ نہیں ہیں، تو اس کے درجات بلند کیے جائیں۔
(۲) متعدد حضرات نے اس کے ساتھ ایک عجیب وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ مؤمن کو یہ پسینا دراصل اس لیے آتا ہے کہ وہ موت کے وقت اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ سے شرماتا ہے اور اسی شرم و حیا کی وجہ سے اس کو پسینا آ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کافر بے شرم ہوتا ہے، اس لیے اسے پسینا نہیں آتا۔

(۳) ایک بات اس سلسلے میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس حدیث سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ مؤمن کو موت کی تکلیف بہت کم ہوتی ہے اور وہ بس اس قدر رہتی ہے کہ اس کی وجہ سے صرف پیشانی پر پسینا آ جاتا ہے۔ (۲)

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي: ۱۸۶/۳۶

(۲) ان اقوال کے لیے دیکھئے: فیض القدیر: ۳۲۹/۶، حاشیة السندی علی

النسائی: ۶/۴، تحفة الأحوذی: ۳۸/۳

چوتھی علامت - جمعے کے دن موت ہونا

حسنِ خاتمہ کی ایک علامت یہ ہے کہ جمعے کے دن یا جمعے کی رات انتقال ہو۔ جمعے کے دن موت کی فضیلت میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں:

۱- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا
وَقَّاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ. »

(کوئی مسلمان جمعے کے دن یا جمعے کی رات میں وفات نہیں پاتا؛ مگر
اللہ اسے قبر کے فتنے سے بچا لیتے ہیں۔)

اس ارشادِ نبوی سے یہ بات اخذ کی گئی ہے کہ کسی مومن کا جمعے کے دن میں یا جمعے کی رات میں وفات پانا، اس کے حسنِ خاتمہ کی علامت ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں اس جمعے کے دن یا رات میں انتقال کرنے والے کے حق میں فتنہ قبر سے حفاظت کا وعدہ ہے۔ اس سلسلے میں بعض اور احادیث بھی وارد ہیں، جن کی تحقیق علما کے استفادے کے لیے حاشیہ پر دی گئی ہے۔ (۱)

(۱) جمعہ میں انتقال کی فضیلت پر وارد حدیث کی تخریج و تحقیق

جمعہ میں انتقال کی فضیلت کی حدیث دو طریقوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

پہلا طریق یہ ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے سنن میں برقم: (۱۰۷۴)، امام احمد نے مسند میں برقم: (۶۵۸۲)، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں برقم: (۲۷۷)، امام ابن عساکر نے "تعزیه المسلم" میں برقم: (۱۰۸) اور امام مروزی نے "الجمعة وفضلها" میں برقم: (۱۲) روایت کیا ہے، امام احمد اور امام طحاوی نے اسے ابو عامر عقدی کے طریق سے اور امام ترمذی نے عبدالرحمن بن مہدی اور ابو عامر عقدی کے طریق سے اور امام ابن عساکر نے اور امام مروزی نے عبدالرحمن بن

→ بن مہدی کے طریق سے روایت کیا ہے اور ان سب نے ہشام بن سعد عن سعید بن ابی ہلال عن ربیعہ بن سیف عن عبد اللہ بن عمرو اس کی تخریج کی ہے۔

(۲) دوسرا طریق یہ ہے کہ اسے امام احمد نے مسند میں برقم: (۶۶۳۶) اور (۷۰۵۰)، امام عبد بن حمید نے اپنی مسند میں برقم: (۳۲۳۳)، امام طبرانی نے معجم کبیر میں برقم: (۱۵۳۳) اور معجم اوسط میں برقم: (۳۱۰۷)، امام بیہقی نے ”إثبات عذاب القبر“ میں برقم: (۱۵۶)، امام ابوالقاسم اصہبانی نے ”الترغیب والترہیب“ میں برقم: (۹۰۹)، امام ابن عساکر نے ”تُعزیز المسلم“ میں برقم: (۱۰۶) اور امام مروزی نے ”الجمعة و فضلها“ میں برقم: (۱۱) بطریق بقیہ ابن الولید عن معاویہ بن سعید عن ابی قبیل عن عبد اللہ بن عمرو روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے یہ دونوں طریق اگرچہ کہ ضعف سے خالی نہیں، تاہم ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

اس حدیث کے پہلے طریق میں ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند متصل نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے ایک راوی ربیعہ بن سیف کو حضرت عبد اللہ بن عمرو سے سماع حاصل نہیں۔ اسی طرح امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس کو منقطع قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سند منقطع ہے۔

اور اس کے ضعف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی ربیعہ بن سیف معافری ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں، امام نسائی نے کہا کہ ضعیف ہیں۔

(دیکھو: تہذیب الکمال: ۱۱۴/۹، تہذیب التہذیب: ۳/۲۲۱)

اور اس کے ضعف کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی ہشام بن سعد ضعیف ہیں، ان کو امام یحییٰ بن معین، امام احمد اور امام نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام یحییٰ بن سعید القطان ان سے حدیث نہیں لیتے تھے۔ (تہذیب الکمال: ۲۰۶/۳۰-۲۰۷، تہذیب التہذیب: ۱۱/۳۷)

مگر ان اشکالات کا جواب دیا گیا ہے: جہاں تک ربیعہ بن سیف کے ضعف کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں؛ بل کہ ان کے بارے جہاں ایک رائے ضعیف ہونے کی ہے، وہیں دوسرے رائے متعدد حضرات ائمہ کی یہ ہے کہ وہ ثقہ و صالح ہیں۔ ←

→

حافظ ابن حجر نے جہاں اوپر کے اقوال نقل کیے ہیں، وہیں ان کے بارے میں امام عجل کا قول ثقہ ہونے کا نقل کیا ہے اور انھوں نے اور حافظ مزنی دونوں نے امام دارقطنی کا قول ”مصری صالح“ نقل کیا ہے۔ امام ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، ہاں ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ وہ بہت غلطیاں کرتے تھے، الغرض ان کو مطلقاً ضعیف کہنا مشکل ہے، زیادہ سے زیادہ مختلف فیہ راوی کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح ہشام بن سعد کے بارے میں جہاں ایک رائے بعض ائمہ کی یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں، وہیں دوسری رائے اس کے خلاف بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ان ہی ہشام بن سعد کے بارے میں امام یحییٰ ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ صالح ہیں، متروک الحدیث نہیں ہیں اور امام عجل نے کہا کہ وہ جائز الحدیث اور حسن الحدیث ہیں، امام ابوزرعہ نے کہا کہ یہ شیخ ہیں، ان کا مقام صدق ہے اور امام ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لی جاسکتی ہے، مگر وہ حجت نہیں۔ حاکم نے کہا کہ امام مسلم نے ان کی حدیث شواہد میں لی ہے۔

(تہذیب الکمال: ۲۰۶/۳۰-۲۰۷/۲۰۷ تہذیب التہذیب: ۳۷/۱۱، میزان الاعتدال: ۲۹۹/۴)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ربیعہ بن سیف معافری اور ہشام بن سعد دونوں مختلف فیہ راوی ہیں؛ لہذا ان کی حدیث تو اولاً ضعیف کہلانے کے بجائے، حسن کہلائے گی، دوسرے اس کا دوسرا طریق بھی ہے، جیسا کہ اوپر پیش کیا گیا، اس لیے اس کو مطلقاً ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

اور جہاں تک اس کی سند میں انقطاع کا اعتراض ہے، تو بات یہ ہے کہ یہی حدیث امام احمد اور امام عبد بن حمید نے اپنی اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے اپنے معجم کبیر اور معجم اوسط میں ایک دوسرے طریق سے روایت کی ہے، جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کرنے والے ابوقبیل راوی ہیں۔

(مسند احمد: ۶۶۴۶ اور ۷۰۵۰، مسند عبد بن حمید: ۳۲۳، معجم کبیر طبرانی: ۱۵۳۴، معجم اوسط: ۳۱۰۷)

لہذا سند میں انقطاع کا اعتراض ساقط ہو گیا؛ کیوں کہ یہ سند متصل ہے۔ یہی وہ دوسرا طریق ہے، جس کا ذکر اوپر کر آیا ہوں، مگر اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہوا ہے:

ایک تو یہی ابوقبیل جن کا نام حی بن ہانی ہے کہ یہ کیسے راوی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ جمہور علما نے ان کی توثیق کی ہے: امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام ابو حاتم نے صالح الحدیث قرار دیا ہے، اسی طرح فسوی، عجل اور احمد بن صالح نے ان کی توثیق کی ہے۔ ←

(تہذیب التہذیب: ۶۴/۳)

→

ہاں! علامہ ساجی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور امام یحییٰ کا قول ان کی ضعیف ہونے کا ذکر کیا ہے؛ مگر جیسا کہ اوپر گزرا، انھوں نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، تو یہ ضعف کا قول شاید کسی اور ثقہ کے لحاظ سے ہوگا اور امام یحییٰ کے ایسے بہت سے اقوال کتابوں میں ملتے ہیں کہ انھوں نے ایک راوی کو ثقہ بھی کہا اور ضعیف بھی تو ایسے مواقع پر محدثین نے یہی اصول لکھا ہے کہ یہ تضعیف کسی اور بڑے ثقہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک راوی ابوبلج کے بارے میں یحییٰ بن معین، نسائی، دارقطنی اور ابن سعد نے کہا کہ ثقہ ہیں؛ مگر ان ہی کے بارے میں ابن الجوزی نے یحییٰ بن معین کا قول ضعیف ہونے کا نقل کیا ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر اپنے کتاب ”بذل الماعون فی فضل الطاعون“ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقد وثقه أي أبا بلج يحيى بن معين، و النسائي، و محمد بن سعد، و الدارقطني و نقل ابن الجوزي عن ابن معين: أنه ضعفه فإن ثبت ذلك يكون سئل عنه و عمن فوقه، فضَّعَّه بالنسبة إليه. و هذه قاعدة جليلة فيمن اختلف النقل عن ابن معين فيه نبه عليها أبو الوليد الباجي في كتابه ”رجال البخاري“ (بذل الماعون: ۱۱۷) لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ابوقبیل کے بارے میں امام یحییٰ کے یہ دو اقوال اس لیے ہیں کہ وہ ان کو ثقہ تو جانتے تھے؛ لیکن کسی اور بڑے راوی کے لحاظ سے ان کو کمزور قرار دیا ہے۔

دوسرے راوی جن پر کلام ہے وہ بقیہ بن الولید ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ائمہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے حضرات نے ان کو مطلقاً ضعیف قرار دیا ہے، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ اگر یہ معروف راویوں سے روایت کریں، تو مقبول ہیں اور غیر معروف لوگوں سے روایت کریں تو ناقابل قبول ہیں اور اکثر ائمہ کا عمل یہ ہے کہ یہ اگر شامی راویوں سے روایت کریں، تو اس کو حجت مانتے ہیں، ورنہ نہیں اور اکثر حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ خود تو ثقہ ہیں؛ مگر ان میں تدلیس کی عادت تھی؛ لہذا اگر یہ تحدیث و سماع کی صراحت کریں، تو قبول ہے اور اگر اس کی صراحت نہ کریں، تو قبول نہیں ہے۔ (دیکھو: تہذیب الکمال: ۱۹۶/۴-۲۰۰، تہذیب التہذیب: ۴۱۶/۱-۴۱۸)

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر راوی حدیث ”بقیہ“ مطلقاً ضعیف ہیں۔ جیسا کہ ایک رائے ہے۔ تو ان

→

کی یہ روایت متابعت میں ہونے کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ متابعت میں ضعیف کی حدیث بھی مقبول ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ معاویہ بن سعید سے روایت کرنے میں بقیہ بن الولید کی متابعت بھی موجود ہے۔ چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں یہی معاویہ بن سعید کی حدیث ولید بن مسلم سے روایت کی ہے، لہذا اس کے بعد تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان کا عیب صرف تدلیس ہے جیسا کہ ایک رائے ان کے بارے میں یہ بھی ہے۔ تو انھوں نے امام احمد اور عبد بن حمید کی سند میں تحدیث کی تصریح کر دی ہے، لہذا تدلیس کا شبہ بھی ختم ہو گیا اور یہ روایت قابل اعتبار ہو گئی۔

اور تیسرے متکلم فیہ راوی۔ معاویہ بن سعید ہیں، جو بقیہ کے استاذ و شیخ ہیں، ان کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں داخل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”یروی المقاطیع“ (منقطع روایات بیان کیا کرتا تھا)۔

ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کی نہ تخریج کی ہے، نہ توثیق؛ ایسا راوی جس کے بارے میں سب علما خاموش ہوں اور ابن حبان اس کی توثیق کریں، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب علامہ عراقی نے دیا ہے، جب ان سے حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں پوچھا تھا، چنانچہ ”أجوبة الحافظ ابن حجر على أسئلة بعض تلامذته“ کے اخیر میں یہ سوال و جواب منقول ہے۔ حافظ ابن حجر کا ابن حبان کی توثیق کے سلسلے میں سوال یہ تھا:

”ما تقول سیدی فی أبي حاتم بن حبان إذا انفرد بتوثيق رجل لا يُعرف حاله إلا من جهة توثيقه له، هل ينهض توثيقه بالرجل إلى درجة من يُحتج به؟ وإذا ذكر ذلك الرجل بعينه أحد الحفاظ كأبي حاتم الرازي بالجهالة، هل يرفع عنه توثيق ابن حبان له وحده أم لا؟“

(اے میرے سردار! آپ ابو حاتم بن حبان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جب وہ کسی ایسے راوی کی توثیق میں متفرد ہوں، جس کا حال سوائے ابن حبان کی توثیق کے کسی اور ذریعے سے معلوم نہ ہو، تو کیا ان کی توثیق آدمی کو اس شخص کے درجے میں کھڑا کر سکتی ہے، جس سے حجت لی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی اور محدث جیسے ابو حاتم رازی بعینہ اسی راوی کو جہالت سے ذکر کرے، تو کیا تنہا ابن حبان کی توثیق اس راوی سے جہالت اٹھا سکتی ہے؟)

←

→

اس کا جواب علامہ عراقی نے یہ دیا ہے:

الجواب: إن الذين انفرد ابن حبان بتوثيقهم لا يخلو: إما أن يكون الواحد منهم لم يرو عنه إلا راو واحد أو روى عنه اثنان ثقتان وأكثر، بحيث ارتفعت عنه جهالة عينه، فإن كان روى عنه اثنان فأكثر، وثقه ابن حبان، ولم تجد لغيره فيه جرحاً، فهو ممن يُحتجُّ به، وإن وجدنا لغيره فيه جرحاً مُفسراً، فالجرح مقدّم فأما من وثقهم ولا يعرف لواحد منهم إلا راو واحد، فقد ذكر ابن القطان في "كتاب بيان الوهم والإيهام". "أن من لم يرو عنه إلا واحد، ووثق فإنه نزول جهالته بذلك."

(جواب یہ ہے کہ جن لوگوں کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو اس راوی سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو گیا یا اس سے دو یا زیادہ ثقہ راوی روایت کرنے والے ہوں گے، اس طرح کہ اس سے جہالت ذات مرتفع ہو جائے۔ پس اگر اس سے دو یا زیادہ راوی روایت کرنے والے ہوں اور ابن حبان نے اس راوی کی توثیق کی ہو اور کسی دوسرے محدث سے اس راوی کی کوئی جرح نہ پائی جائے؛ تو یہ راوی قابل احتجاج راویوں میں سے ہے اور اگر ہم اس راوی کے بارے میں دوسرے کسی امام کی طرف سے جرح مفسر پائیں، تو پھر جرح توثیق پر مقدم ہے، وہ راوی جن کی توثیق ابن حبان نے کی ہے اور ان سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا معلوم ہو، تو امام ابن القطان نے "كتاب الوهم والإيهام" میں ذکر کیا ہے کہ جس راوی سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہو اور اس کی توثیق کی گئی ہو، تو اس سے جہالت مرتفع ہو جاتی ہے۔)

(اجوبۃ الحافظ ابن حجر: ۱۳۶-۱۴۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس راوی سے دو لوگ روایت کرنے والے ہوں اور اس کی ابن حبان نے توثیق کی اور کسی اور نے اس کی کوئی جرح نہ کی ہو، تو وہ راوی لائق احتجاج ہوتا ہے۔ اس اصول پر ہم جب غور کرتے ہیں، تو معاویہ بن سعید بھی لائق احتجاج معلوم ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان سے تو دو ہی نہیں؛ بل کہ تقریباً دس اشخاص روایت کرتے ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھو: تہذیب الکمال: ۱۷۴/۲۸-۱۷۵، تہذیب التہذیب: ۱۰/۱۸۶/۱۸۷) ←

جب ان سے دو سے زائد راوی روایت کرتے ہیں اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں داخل کیا ہے، تو ان کا لائق احتجاج ہونا ثابت ہوا۔

الغرض یہ دوسرا طریق متصل ہے اور اس کے راویوں پر کلام تو بے شک ہوا ہے؛ مگر ایسا نہیں کہ قابلِ تحمل نہ ہو؛ بل کہ اکثر تو ان میں مختلف فیہ ہیں؛ لہذا یہ روایت بھی علی الاطلاق ضعیف کہلانے کے لائق نہیں؛ بل کہ ایک گونہ قابلِ قبول ہے، پھر اسی کے ساتھ جب یہ دو طریق ایک دوسرے کو تقویت دے رہے ہیں، تو ان کا مجموعہ حسن لغیرہ ضرور ہو جاتا ہے۔

۲- اس سلسلے میں دوسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کو امام ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں اور ان ہی سے امام ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ. »

(جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے؛ اسے عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔)

(مسند أبي يعلى: ۴۱۱۳، الکامل فی الضعفاء: ۳۸۲/۸)

یہ حدیث پہلی حدیث کی شاہد ہے، اس کی سند میں یزید بن ابان الرقاشی اور واقد بن سلامہ دو راوی ہیں، جن پر کلام کیا گیا ہے، یزید الرقاشی تابعی ہیں اور اپنے زمانے کے مشہور واعظ اور صوفی ہیں، ان کے زہد و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے واقعات بے شمار ہیں؛ مگر حدیث کی روایت میں ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ اگرچہ صدق و صفا کے حامل اور زہد و عبادت کے جامع تھے؛ لیکن حفظ و اتقان میں ایسے نہیں تھے کہ ان کی حدیث پر اعتماد کیا جاسکے؛ اسی لیے امام شعبہ کہا کرتے تھے کہ میں زنا کر لوں، یہ مجھے یزید الرقاشی سے حدیث بیان کرنے سے زیادہ پسند ہے، ایک باریوں کہا کہ یزید الرقاشی سے روایت کرنے سے بہتر ہے کہ میں ڈاکا زنی کروں، اسی لیے امام احمد اور امام ابو داؤد وغیرہ نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے۔

امام ابن حبان نے ان کے بارے میں بہت صحیح کہا:

”وكان من خيار عباد الله من البكائين بالليل في الخلوات والقائمين

بالحقائق في السبرات ، ممن غفل عن صناعة الحديث وحفظها واشتغل بالعبادة

→

وأسبابها؛ حتى كان يقلب كلام الحسن فيجعله عن أنس عن النبي عليه الصلاة والسلام وهو لا يعلم، فلما كثر في روايته ما ليس من حديث أنس وغيره من الثقات بطل الاحتجاج به، فلا تحل الرواية عنه إلا على سبيل التعجب.

(یہ اللہ کے بہت بہترین بندوں میں سے تھے، رات بھر خلوتوں میں رونے والوں اور مسکینوں میں حقائق پر قائم رہنے والوں میں سے تھے؛ لیکن فنِ حدیث اور اس کی یادداشت سے غفلت کرنے والوں اور عبادت اور اس کے اسباب میں مشغول رہنے والوں میں سے تھے؛ یہاں تک کہ وہ بے خبری کی بنا پر حضرت حسن بصری کے کلام کو الٹ کر حضرت انس سے حدیث رسول بنا دیتے تھے، پس جب ان کی روایات میں وہ حدیثیں زیادہ ہو گئیں، جو حضرت انس وغیرہ ثقات کی حدیث نہیں تھیں، تو ان سے احتجاج باطل قرار پایا؛ لہذا ان سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے؛ الا یہ کہ بر سبیل تعجب روایت کی جائے۔)

(المجروحین لابن حبان: ۳/۹۸)

الغرض یزید بن ابان الرقاشی اگرچہ عابد و زاہد اور صالح و متقی آدمی تھے؛ لیکن وہ حدیث کے آدمی نہیں تھے؛ اس لیے ائمہ نے ان سے حدیث نہیں لی اور ان کو حدیث میں ضعیف قرار دیا۔

دوسرے راوی واقد بن سلامہ ہیں، جن کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ ان کی حدیث صحیح نہیں، ابن عدی نے کہا کہ ان سے کچھ زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ خود ثقہ ہیں؛ لیکن یزید الرقاشی سے روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیثوں میں ضعف ہے۔ عقیلی اور ابن الاثرود نے ان کو ضعیف میں شمار کیا ہے۔

(الکامل: ۳۸۱/۸-۳۸۲، لسان المیزان: ۳۷۱/۸)

الغرض یہ حدیث ضعیف ہے، تاہم شواہد میں اس کو لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ لہذا یہ حدیث پہلی دو روایتوں کی تقویت کا باعث ہے۔

۳- اس سلسلے میں تیسری حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

”من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب

القبر، و جاء يوم القيامة عليه طابع الشهداء.“

←

→

(جو شخص جمعہ کے دن میں یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے، اسے عذابِ قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کا نشان ہوگا۔) (حلیۃ الاولیاء: ۱۵۵/۳)
مگر یہ حدیث نہایت ہی ضعیف ہے؛ بل کہ قریب بہ موضوع ہے، کیوں کہ اس کا راوی عمر بن موسیٰ بن الوجیہ انصاری شامی کو ابن حبان اور ابن عدی نے کذاب قرار دیا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث کی سند و متن گھڑتا تھا۔ ابن معین نے کہا کہ یہ لائقِ اعتماد نہیں، نسائی اور دارقطنی نے کہا کہ متروک ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ ذاہب الحدیث ہے اور حدیث گھڑتا تھا۔

(الکامل ۱۳/۶-۲۳، تعجیل المنفعة: ۲/۲۹، المجروحین: ۸۶/۲)

لہذا یہ حدیث استشہاد میں بھی پیش کرنے کے لائق نہیں ہے۔

۴- چوتھی حدیث حضرت انس بن مالک سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
لَا يَنْجُو مِنْ صَغُطَةِ الْقَبْرِ إِلَّا شَهِيدٌ أَوْ مَصْلُوبٌ أَوْ مَنْ مَاتَ يَوْمَ
الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ .

(قبر کے دبو چنے سے کسی کو نجات نہیں، سوائے اس کے، جو شہید ہوا ہو، یا جسے
(بلا وجہ) سولی پر لٹکایا گیا ہو، یا جو جمعے کے دن یا رات میں مرا ہو۔)

(مسند الفردوس: ۵۲۳۵، تعزیه المسلم: ۱۰۹)

مگر یہ حدیث بھی نہایت منکر و موضوع ہے؛ کیوں کہ دوراوی انتہائی ضعیف ہیں: ایک حسین بن علوان دوسرے ابان بن ابی عیاش۔ حسین بن علوان کو امام یحییٰ بن معین نے کذاب کہا اور امام ابو حاتم، نسائی اور دارقطنی نے واہی اور متروک الحدیث کہا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ حدیث گھڑتا تھا۔

(الجرح والتعديل: ۶۱/۳، الضعفاء للعقيلي: ۲۵۱/۱، الضعفاء و المتروكين: ۵۱۲/۱)

اور ابان بن ابی عیاش اگرچہ کہ نیک و صالح تھے؛ مگر حافظے کی کمزوری کی وجہ سے احادیث میں گڑبڑ کر دیا کرتے تھے، اس لیے علما نے ان سے حدیث لینے کو جائز نہیں سمجھا، امام یحییٰ بن معین نے کہا کہ ان کی حدیث لاشیء ہے، ابو زرعة نے کہا کہ متروک الحدیث تھے اور جب امام ابو زرعة سے پوچھا گیا کہ کیا یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے تھے؟ تو کہا کہ نہیں، وہ حدیث حضرت انس اور شہر بن حوشب اور حضرت حسن بصری سے سنتے تھے اور ان کی احادیث میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ امام ابو حاتم

→

نے کہا کہ یہ نیک و صالح تھے؛ لیکن سوئے حافظے کی مصیبت تھی۔ امام شعبہ نے کہا کہ اگر لوگوں سے حیا نہ ہوتی، تو میں ابان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑتا اور ایک بار یہ کہا کہ میں زنا کروں، یہ ابان سے روایت کرنے سے بہتر ہے۔ (الجرح والتعديل: ۲/۲۹۶، الضعفاء للعقيلي: ۳۹/۱)

الغرض یہ روایت بھی انتہائی ضعیف و منکر ہے؛ لہذا اس کو بھی کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کو شاہد قرار دیا جاسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی اور دوسری حدیث کو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث قرار دے کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اصول حدیث کی روشنی میں اوپر ذکر کردہ احادیث میں سے پہلی اور دوسری حدیث کے پیش نظر اس کو حسن قرار دینا بالکل حق ہے؛ کیوں کہ تمام محدثین اس بات کو مانتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کے دو طریق ہوں، خواہ وہ دونوں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں، وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے کبھی ایسی حدیث کا درجہ حدیث حسن اور کبھی حدیث صحیح لغیرہ کا ہو جاتا ہے۔ (تخریج ہدایۃ الرواة: ۲/۹۶)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محقق شیخ شعیب ارناؤط کا مسند احمد کی تحقیق میں اس کو ضعیف قرار دینا محل نظر ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس سلسلے میں شیخ ناصر الدین الالبانی کی بات صحیح ہے کہ انھوں نے اس کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر کی کتاب ”ہدایۃ الرواة“ کی تخریج میں انھوں نے لکھا ہے۔

● حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

ہاں! اس حدیث کے مضمون و متن پر ایک دوسری حدیث سے اشکال کیا گیا ہے اور اسی اشکال کی وجہ سے امام طحاوی نے ”مشکل الآثار“ میں اس حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”إِنَّ لِلْقَبْرِ لَضُغْطَةً لَوْ كَانَ أَحَدٌ نَاجِيًا مِنْهَا نَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ“

(بلاشبہ قبر دبوجے گی، اگر کوئی شخص اس سے نجات پاتا تو سعد بن معاذ ضرور اس سے نجات پاتے۔)

(صحیح ابن حبان: ۳۱۱۲، مشکل الآثار: ۲۷۳-۲۷۵، مسند اسحاق: ۱۱۱۴، تہذیب

←

الآثار للطبری: ۳۲۸، اثبات عذاب القبر: ۱۱۰-۱۰۸)

→

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کو قبر کے اس دبوچنے سے مفر نہیں، ہر ایک کو قبر دبوچتی ہے، یہاں تک کہ حضرت سعد بن معاذ جیسے صحابی بھی اس سے بچ نہیں سکے۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص جب اس سے بچنے والا نہیں، تو یہ حدیث جس میں یہ آیا ہے کہ جمعے کو مرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ ہوگا، یہ صحیح نہیں ہے۔

مگر یہ اشکال صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ بعض صحیح احادیث میں یہی فضیلت و بشارت اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والے کے حق میں وارد ہوئی ہے؛ مگر کسی نے ان احادیث کو اس لیے رد نہیں کیا کہ یہ مذکورہ حدیث عائشہ کے خلاف ہے؛ بل کہ حیرت ہے کہ خود امام طحاوی نے اپنی مشکل الآثار میں بعض ایسی احادیث روایت کی ہیں اور ان کو صحیح مانا ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”رَبَّاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجِرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَانُ.“

(ایک دن و رات کا اللہ کے راستے میں پہرہ ایک ماہ کے روزوں اور رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور اگر وہ شخص مرجائے، تو اس کا یہ عمل جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور وہ آزمائش کرنے والے فرشتوں سے مامون ہوگا۔)

(مسلم: ۵۰۴۷، سنن النسائي: ۳۱۶۸، السنن الكبرى للنسائي: ۴۳۶۲، صحيح ابن حبان: ۴۶۲۶،

المعجم الكبير للطبراني: ۶۰۵۵ و ۶۰۵۶، الجهاد لابن أبي عاصم: ۳۰۹، مسند أبي عوانة: ۷۴۶۸)

اور یہی مضمون حضرت فضالہ بن عبید سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

”كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ.“

(ہر میت کا عمل ختم کر دیا جاتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے؛ کیوں کہ اس کا عمل قیامت تک جاری رہے گا اور وہ فتنہ قبر سے مامون ہوگا۔)

(الترمذي: ۱۶۲۱، أحمد: ۲۴۰۰۰، المعجم الكبير للطبراني: ۱۵۱۹۷، مشكل الآثار: ۲۳۱۶،

الجهاد لابن أبي عاصم: ۳۱۷)

←

پانچویں علامت - شہادت کی موت پانا

انجام بخیر ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں شہادت نصیب ہو۔ متعدد حضرات صحابہ سے روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کو چھ خصلتیں حاصل ہوں گی، ان میں سے ایک یہ بیان فرمائی کہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا:

« لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ: يَغْفِرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ مِنْ دَمِهِ، وَيُرَى مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ، وَيُزَوَّجُ مِنْ

→ یہ احادیث صحیح ہیں اور ان میں اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والے کے بارے میں آیا ہے کہ وہ فتنہ قبر سے محفوظ ہوگا؛ حالاں کہ یہ بھی اس حدیثِ عائشہ کے بظاہر خلاف ہے، تو کیا یہ احادیث بھی ضعیف ہیں؟ لہذا زیر بحث احادیث کو بھی حدیثِ عائشہ کے خلاف قرار دینے اور اس کی بنیاد پر ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ احادیث درحقیقت حدیثِ عائشہ کے معارض نہیں ہیں؛ کیوں کہ اوپر کی زیر بحث دو حدیثوں جنہیں ہم نے قابلِ لحاظ قرار دیا ہے۔ میں سے پہلی حدیث میں جمعہ میں مرنے والے کو فتنہ قبر سے بچانے کا اور دوسری حدیث میں عذابِ قبر سے بچانے کا ذکر ہے اور اکثر علما کے نزدیک فتنہ قبر سے مراد منکر و نکیر کا سوال و جواب ہے؛ لہذا اس حدیث کا مطلب ہوگا کہ جمعہ میں مرنے والے کو عذابِ قبر اور فتنہ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں جو مضمون ہے، وہ ضغطِ قبر کے بارے میں ہے کہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں: عذابِ قبر اور فتنہ قبر الگ چیز ہے اور ضغطِ قبر الگ چیز؛ لہذا ان دونوں احادیث میں تعارض نہ رہا کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کی تغلیط کی جائے۔

ہاں! البتہ اوپر پیش کردہ تیسری حدیث میں ضغطِ قبر کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ وہ لائقِ اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ. « (۱)

(شہید کے لیے اللہ کے پاس چھ خاصیتیں ہیں: ایک یہ کہ جب اس کا خون اول دفعہ گرتا ہے، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس کا جنت کا ٹھکانا اس کو دکھادیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، چوتھے یہ کہ قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے مامون رکھا جائے گا، پانچویں یہ کہ ایمان کا زیور پہنایا جائے گا اور چھٹے یہ کہ بڑی آنکھوں والی حور سے اس کی شادی کی جائے گی اور ایک یہ کہ اس کی سفارش اس کے خاندان کے ستر آدمیوں کے حق میں قبول کی جائے گی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور یہ اس کے خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے، جو جہاد کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دے۔

چھٹی علامت - مرنے والے کے حق میں خیر کی گواہی

خاتمہ بالخیر ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ مرنے والے کی مسلمان لوگ تعریف کریں اور اس کی نیکی و صلاح کا لوگوں میں چرچا ہو۔ نیک لوگوں میں اس کے صلاح و تقویٰ، زہد و نیکی کا چرچا اللہ کی جانب سے اس کے حق میں ایک گواہی ہے کہ وہ عند اللہ مقبول ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار ایک جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”وَجَبْتُ، وَجَبْتُ، وَجَبْتُ“ (واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی) پھر ایک اور جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس کی برائی کی تو آپ نے پھر یہی کہا کہ ”وَجَبْتُ، وَجَبْتُ، وَجَبْتُ“ (واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر

(۱) سنن ابن ماجہ و اللفظ له: ۲۷۹۹، سنن الترمذی: ۱۶۶۳، مسند أحمد: ۱۷۲۱،

حُسنِ خاتمہ

قربان! جب ایک جنازہ گزرا اور اس کی تعریف کی گئی، تو آپ نے ”وَجَبَتْ“ فرمایا اور جب دوسرا جنازہ گزرا اور اس کی برائی کی گئی، تو آپ نے ”وَجَبَتْ“ فرمایا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم لوگوں نے برائی کی اس کے حق میں جہنم واجب ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ (۱)

اس حدیث کی تشریح میں علما کے اقوال مختلف ہیں:

علما میں ایک جماعت وہ ہے، جو اس حدیث کی تشریح میں یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نیک آدمی کی نیکی دیکھ کر لوگوں نے اس کی تعریف کی، تو وہ جنتی ہے، اسی طرح اگر کسی کی برائی دیکھنے والوں نے اس کی برائی دیکھ کر اس کی برائی کی تو وہ دوزخی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ لوگ بلاوجہ کسی کی تعریف یا برائی کر دیں، تو وہ جنتی یا دوزخی ہو جاتا ہے۔ (۲)

اور علامہ داودی نے فرمایا کہ فقہاء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اہل صدق و صفا کسی کی اچھائی یا برائی بیان کریں، تو اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا؛ کیوں کہ فاسق و فاجر لوگ بسا اوقات فاسق کی بھی تعریف کر دیتے ہیں۔ (۳)

لیکن علما کی ایک بڑی جماعت اس کے برخلاف یہ کہتی ہے اور علامہ نووی نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے بارے میں لوگوں کی زبان پر اللہ کی جانب سے تعریف جاری ہوئی تو وہ جنتی ہے، خواہ اس کے اعمال بظاہر اس کے مطابق نہ ہوں، اسی طرح اگر کسی کی برائی لوگوں کے ذہنوں میں آگئی اور انھوں نے اس کی برائی کی تو وہ دوزخی ہے خواہ اس کے عمل بظاہر اس کے خلاف ہوں۔ (۴)

(۱) صحیح البخاری: ۲۲۳۳، مسند أحمد: ۱۲۹۶۱

(۲) شرح مشکاة للعلامة الطیبي: ۳۸۵/۳

(۳) إكمال المعلم: ۲۲۰/۳، عمدة القاري: ۲۸۱/۸

(۴) شرح مسلم: ۱۹/۷، فتح الباري: ۲۳۱/۳، عمدة القاري: ۲۸۲/۸

حَسَنِ خَاتِمَہ

لہذا اہل اسلام خصوصاً نیک لوگوں کا کسی میت کی تعریف کرنا بھی اس کے حسنِ خاتمے کی ایک علامت ہے۔

ساتویں علامت - خواب میں زیارتِ نبوی

آں حضور ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہونا بھی ایک علامت ہے اس بات کی کہ زیارت کرنے والے کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے ایک ملفوظ میں بیان کیا ہے:

”حضور ﷺ کی زیارت جس کو خواب میں ہو جاتی ہے، اس کا خاتمہ ایمان

پر ہوگا، پس حضور ﷺ کی زیارت مثالی علامت خاتمہ بالخیر کی ہے۔ (۱)

یہ چند اہم علامات حسنِ خاتمے کی یہاں ذکر کی گئی ہیں، ویسے علما نے ان کے علاوہ بھی بعض علامات کا ذکر کیا ہے؛ لیکن چوں کہ ہمارا مقصود سب کا احاطہ کرنا نہیں ہے؛ بل کہ صرف چند اہم علامات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے؛ لہذا یہاں چند اہم امور پر اکتفا کیا گیا ہے۔
اے میرے پیارے اللہ! محض اپنے فضل و کرم سے مجھ حقیر و فقیر کا رہ علم و عمل کو بھی اس کا وافر حصہ عطا فرما کر حسنِ خاتمے کی دولت سے مالا مال فرما دیجیے اور سوئے خاتمے سے پوری طرح محفوظ رکھیے؛ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی نہیں جو ایمان کی دولت دے اور کوئی نہیں جو اس کو بچانے کی توفیق دے، یہ کام آپ ہی کا ہے۔

(۱) ملفوظات حکیم الامت: ۱۷۴/۲۲، انفاس عیسیٰ: ۴۸۸

فصل ہشتم

حسن خاتمہ کے چند واقعات

اب اخیر میں حسن خاتمے کے چند واقعات ذکر کرتا ہوں؛ تاکہ ہمیں بھی حسن خاتمے کا شوق پیدا ہو اور ہم اس کے لیے جستجو و تیاری کریں۔ اس سلسلے میں واقعات تو لاتعداد ہیں جنہیں تاریخ نے ضبط کیا ہے؛ مگر اس مختصر تحریر میں ان سب کا احصاء و احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی ضرورت ہے؛ لہذا یہاں چند اہم واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات

صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ ان کے شاگرد معروف تابعی حضرت انس بن سیرین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں موجود لوگوں سے فرمایا کہ مجھے کلمہ طیبہ کی تلقین کرو۔ چنانچہ لوگوں نے تلقین کی اور آپ برابر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہے؛ یہاں تک کہ اسی حال میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا، تو وہ اپنے بالا خانے پر تھے، جس میں چار طرف دروازے تھے، انہوں نے مجھے

(۱) الثبات عند الممات: ۱۳۳

بلایا اور فرمایا کہ تمام دروازے کھول دو؛ کیوں کہ آج میرے پاس مہمان آنے والے ہیں اور معلوم نہیں کہ کس دروازے سے آئیں گے۔ پھر مشک لانے کے لیے فرمایا اور کہا کہ مشک کو ملا کر میرے بستر کے اطراف ڈال دینا اور تم یہاں سے نیچے چلی جانا اور کچھ دیر ٹھیرنا اور مجھے دیکھنا کہ میں اپنے بستر پر دراز ملوں گا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے جو دیکھا تو وہ انتقال فرما چکے تھے۔ (۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ وفات کے وقت خوشی سے کہہ رہے تھے کہ ”غَدًا نَلْقَى الْأَحَبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ“ (کل ہم اپنے دوستوں سے ملاقات کریں گے یعنی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے) (۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا، تو وہ زمین پر اپنا چہرہ رکھ کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے اور فرمایا کہ اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور دوسرے گناہوں کو جس کے لیے چاہتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں، اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجیے، جن کے گناہ آپ معاف فرماتے اور بخشش فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وفات کے وقت یہ شعر پڑھنے لگے:

لَا مَنَجَا مِنْ الْمَوْتِ وَالَّذِي

نُحَاذِرُ بَعْدَ الْمَوْتِ أَذْهَى وَأَفْظَعُ

(موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں؛ لیکن موت کے بعد جو دہشت ناک

(۱) الثبات عند الممات: ۱۲۱

(۲) الثبات عند الممات: ۱۰۸

حالات ہیں، ہم ان سے ڈرتے ہیں۔)

پھر یہ دعا پڑھنے لگے:

”اللَّهُمَّ أَقِلَّ الْعَثْرَةَ، وَاعْفُ عَنِ الزَّلَّةِ، وَتَجَاوَزْ بِحِلْمِكَ
عَنْ جَهْلٍ مَنْ لَمْ يَرْجُ غَيْرَكَ، فَإِنَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ، لَيْسَ
لِيْ خَطِيئَةٍ مِنْ خَطِيئَتِهِ مَهْرَبٌ إِلَّا إِلَيْكَ.“

(اے اللہ! الغزش کو دور فرما، خطا کو معاف فرما اور اپنے حلم کے صدقے
اس شخص کی جہالت سے درگزر فرما، جو صرف آپ ہی سے امید رکھتا ہے،
بلاشبہ! آپ بڑی مغفرت والے ہیں، کسی گناہ گار کو اپنے گناہوں سے
بھاگنے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں کہ وہ آپ کی طرف آئے۔)

اسی دعا کا ورد کرتے رہے اور بالآخر یہی پڑھتے پڑھتے آپ نے جاں جان آفریں
کے سپرد کردی۔ (۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر جب نزع طاری ہوا؛ تو آپ نے کہا کہ مجھے بٹھا دو،
جب بٹھا دیے گئے، تو اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے: اے اللہ! میں وہ ہوں کہ آپ نے حکم دیا تو
قصور کر دیا اور آپ نے منع کیا تو نافرمانی کی، پھر کلمہ طیبہ پڑھا اور آسمان کی جانب گھور گھور
کر دیکھنے لگے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ آسمان کی جانب گھور گھور کر
دیکھ رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو نہ انسان ہیں نہ جنات۔
اور کہا کہ ان صورتوں کو مرجبا ہو، جو نہ جن ہیں نہ انسان ہیں۔

پھر ﴿سُوْرَةُ الْقَصَصِ﴾ کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي

الْأَرْضِ وَلَا فِسَادًا ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

تَرْجَمَتُنَا: یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو عطا کریں گے، جو زمین میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہوں اور نہ بگاڑ پیدا کرنا اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچنے والوں ہی کے لئے بہتر انجام ہے۔
پھر آپ کی آواز پست ہو گئی، دیکھا تو روح قبض ہو چکی تھی۔ (۱)

امام ابو زرہ رازی رحمہ اللہ کا واقعہ

امام ابو زرہ رازی رحمہ اللہ بڑے محدث اور عالم گزرے ہیں، ان کو بے شمار احادیث یاد تھیں، جب ان کے انتقال کا وقت آیا، تو وہ بیمار ہو گئے تھے، ایک دن چند اہم علما اور محدثین ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور دوران ملاقات عرض کیا کہ حضرت! ہم آپ سے کوئی حدیث سننا چاہتے ہیں۔

امام ابو زرہ رحمہ اللہ نے اسی بیماری کی حالت میں حدیث سنانے کے ارادے سے حدیث بیان کی ارادہ حدیث بیان کی، جس کا مضمون یہ ہے کہ جس شخص کا آخری کلمہ ”لا إله إلا الله“ ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ امام ابو زرہ نے یہ حدیث سنانے کے لیے پہلے اس کی سند بیان کی، پھر کہا کہ: ”من كان آخر كلامه: لا إله إلا الله“ (جس کا آخری کلام ”لا إله إلا الله“ اور ابھی ”دخل الجنة“ کا جملہ ان کی زبان سے ادا بھی نہیں ہوا تھا کہ روح پرواز کر گئی۔ (۲)

ما شاء الله! کس قدر اچھی موت آئی کہ حدیث سنائی اور ”لا إله إلا الله“ پڑھا اور ”دَخَلَ الْجَنَّةَ“ کہنے سے پہلے خود جنت میں چلے گئے۔

حضرت صفوان بن سلیم

حضرت ابن ابی حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے دوست احباب ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ بے قراری سی کرنے لگے، دوستوں نے

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي: ۲۰۴/۷، البداية والنهاية: ۲۳۵/۹

(۲) سير أعلام النبلاء: ۸۵/۱۳

حُسنِ خاتمہ

پوچھا کہ کیا استنجا کی ضرورت پیش آئی ہے؟ تو کہا کہ ہاں! مگر ان کی صاحب زادی نے بتایا کہ نہیں، ان کو کوئی ضرورت نہیں پیش آئی ہے؛ بل کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جائیں، تو وہ نماز پڑھیں۔ وہ حضرات وہاں سے اٹھ کر باہر نکلے اور یہ علی الفور نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہو گئے اور انتقال کر گئے۔ ان کی صاحب زادی نے ان لوگوں کو چیخ مار کر اطلاع دی کہ وہ انتقال کر گئے، پس وہ لوگ داخل ہوئے اور ان کو اٹھا کر لٹا دیا۔ (۱)

امام ابن النجبار

امام محمد بن عبد اللہ ابو بکر عامری المعروف بہ ابن النجبار رحمہ اللہ جو بڑے عالم فقہ و حدیث بھی تھے اور بڑے اللہ والے اور واعظ بھی تھے، علامہ ابن الجوزی کے اساتذہ میں ان کا شمار ہے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو ان کی پیشانی پر پسینا خوب آیا، انھوں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایک شعر پڑھا:

هَآ قَدْ بَسَطْتُ يَدِي إِلَيْكَ فَرَدَّهَا

بِالْفَضْلِ لَا بِشِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ

(میں نے اپنا ہاتھ آپ کی جانب بڑھایا ہے؛ لہذا آپ اس کو اپنے فضل

سے بھر پور واپس کیجیے، نہ اس طرح کہ دشمن کو برا بھلا کہنے کا موقع ملے۔)

اور پھر کہنے لگے، میں مشائخ کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے سروں پر طبق رکھے ہوئے ہیں

اور وہ میرا انتظار کر رہے ہیں، یہ کہہ کر انتقال کر گئے۔ (۲)

حضرت خیر النساء

حضرت محمد بن اسماعیل معروف بہ خیر النساء رحمہ اللہ جو کہ کبار صوفیہ میں سے گزرے ہیں

اور بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، آپ کے ایک مرید ابو الحسین مالکی رحمہ اللہ

(۱) الثبات عند الممات: ۵۶

(۲) المنتظم في تاريخ الملوك و الأمم: ۶۵/۱۰ البدایة و النہایة: ۲۶۲/۱۲

فرماتے ہیں کہ میں نے خیرالنساج کی کئی سال تک صحبت پائی ہے اور ان کی بے شمار کرامات بھی دیکھی ہیں، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اپنی وفات سے آٹھ دن قبل حضرت خیرالنساج رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس جمعرات کی مغرب کو میری موت ہونے والی ہے اور میں جمعہ کے دن نماز سے قبل دفن کیا جاؤں گا۔ تم بھولتے بہت ہو، اس بات کو نہ بھولنا۔

ابوالحسین مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس کے باوجود اس بات کو بھول گیا اور جمعے کے دن ایک شخص نے مجھے اس کی خبر دی کہ ان کی وفات ہو گئی۔ میں ان کے جنازے میں شرکت کے لیے نکلا، تو دیکھا کہ لوگ واپس ہو رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، تو بتایا گیا کہ بعد نماز تدفین ہوگی؛ لیکن میں نے ان کے کہنے کا لحاظ نہ کیا اور جنازے کے لیے آگے بڑھا، تو معلوم ہوا کہ جنازہ نماز سے قبل ہی جا چکا ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے وہاں جاننے والوں سے ان کی موت کے احوال جاننا چاہا، تو انھوں نے بتایا کہ جب موت کا وقت آیا، تو وہ بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش آیا، تو آنکھیں کھولیں اور گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیرو، اللہ تمہیں عافیت دے۔ دیکھو میں بھی اللہ کی جانب سے ایک حکم دیا گیا ہوں اور تم بھی حکم دیے گئے ہو اور تمہیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، وہ تو فوت نہیں ہو سکتا اور جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے، وہ فوت ہو سکتا ہے؛ لہذا مجھے مہلت دو کہ میں میرا کام پورا کر لوں۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لی اور کلمہ شہادت پڑھا اور انتقال ہو گئے۔ (۱)

شیخ حسن الکردی

شیخ حسن الکردی رحمۃ اللہ علیہ شاعور مقام پر اپنے باغ میں رہتے تھے اور وہیں کچھ پکا کراسی سے گزر بسر کرتے تھے اور لوگ وہیں ان کی زیارت و ملاقات کو حاضر ہوتے تھے۔ جب وفات کا وقت آیا، تو

(۱) المنتظم فی تاریخ الملوک والأئمہ: ۶/۲۷۷

انھوں نے غسل کیا اور اپنے بال کاٹے، پھر نماز پڑھنے لگے اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

امام عبداللہ بن المبارک

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا جب انتقال ہونے لگا، تو ایک شخص نے ان کو کلمہ شہادت کی تلقین کی، امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے کلمہ پڑھا؛ مگر وہ شخص پھر بھی کلمہ کی تلقین کرتا رہا تو آپ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تو صحیح نہیں کر رہا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تو ایک مسلمان کی ایذا کا سبب بنے گا۔ پھر کہا کہ جب تو نے تلقین کی اور میں نے کلمہ پڑھ لیا، تو جب تک میں کوئی اور بات نہ کروں، مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے، ہاں! اگر میں کوئی دوسری بات کروں تو دوبارہ تلقین کرنا۔ (۲)

امام عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب

امام عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب رحمہ اللہ اپنے وقت کے امام الحدیث اور بڑے علما میں سے تھے، امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ بہت نیک و صالح شیخ تھے، بڑے ذاکر و تہجد گزار تھے اور خوب رونے والے اکابر میں ان کا شمار تھا جیسا کہ سلف صالحین کا طرز تھا۔ ان کے ایک شاگرد امام یوسف بن احمد ہیں، انھوں نے ان کی وفات کا قصہ لکھا ہے کہ ”جب ان پر موت کا وقت آیا، تو میں نے ان کو اپنے سینے سے لگا کر بٹھالیا اور آپ کی ذکر کے سلسلے میں بڑی شہرت تھی، پس آپ کے پاس محمد بن القاسم العونی رحمہ اللہ آئے اور ان کے اوپر جھک کر کہا کہ حضرت! اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”جس کا آخری کلام ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہوتا ہے، وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔“ یہ سن کر آپ نے اپنی آنکھ اٹھا کر انھیں دیکھا اور ﴿سُورَةُ الْيُنُسِ﴾ کی یہ آیت پڑھنے لگے:

(۱) البداية النہایة: ۲۰/۱۴

(۲) تاریخ الإسلام للذهبی: ۲۴۶/۱۲، سنن الترمذی: ۱۹۲/۱

﴿ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ، بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ

الْمُكَرَّمِينَ. ﴾

(کہا کہ اے کاش! کہ میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے میری

معفرت کردی اور مجھے اکرام کیے ہوئے بندوں میں سے بنادیا۔)

یہ سن کر سب کے سب حیران رہ گئے اور وہ برابر قرآن کی یہ سورت پڑھتے رہے؛
یہاں تک کہ اس کے اخیر تک پہنچ گئے اور پھر تین بار ”اللہ اللہ اللہ“ کہا اور انتقال کر گئے۔ (۱)

اسماعیل بن بہاؤ الدین

امام اسماعیل بن بہاؤ الدین محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم و فاضل گزرے ہیں، حفظ
قرآن کے بعد مختلف اساتذہ سے فن حدیث پڑھا اور بڑے مقام کو پہنچے؛ مگر ابھی جوانی کی
عمر تھی کہ وہ سل کی بیماری میں چھ ماہ تک مبتلا رہ کر انتقال کر گئے۔

امام ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب بیمار ہوئے، تو نیکی و طاعت کا بڑا
ذوق پیدا ہو گیا اور جب بیماری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتے تھے، تو اشارے سے
نماز پڑھنے لگے۔ ان کے والد جو خود بہت بڑے محدث تھے، انھوں نے کہا کہ کیا تمھاری
کوئی چاہت ہے؟ تو کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمادیں اور یہ کہ آپ
قرآن پڑھ کر مجھے ثواب ہدیہ کیا کریں۔ چنانچہ ان کے والد کا معمول تھا کہ اپنی پوری
زندگی روزانہ سات قرآن پڑھ کر ان کو ہدیہ کیا کرتے تھے۔

جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو لوگوں کے ساتھ ﴿سُورَةُ يٰسِينَ﴾ پڑھنے لگے؛ مگر
بیماری کی وجہ سے بہ دقت تمام پڑھ رہے تھے، پھر اپنے والد سے کہا کہ اس گھڑی میں مرنے
والا ہوں؛ لہذا غسل دینے والے کا انتظام کیا جائے، والد نے فرمایا کہ موت سے پہلے غسل
دینے کون آئے گا؟ کہا کہ میں تو بس ابھی ابھی مرنے والا ہوں، جلدی کیجیے۔ پھر اذان

حُسنِ خاتمہ

ہوئی تو اذان کا جواب دیا اور کہا کہ خدا کی قسم! میں اللہ سے ملنا چاہتا ہوں اور میں دار السعادة جا رہا ہوں۔ یہ بات بار بار کہتے رہے۔ پھر کہا کہ یہ دنیا تو دار الشقاوت ہے، تھکا دیتی اور مار دیتی ہے۔ پھر آنکھیں بند کر لیں اور انتقال کر گئے۔ (۱)

حضرت نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی کا قصہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا پیر حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی۔ قدس سرہ۔ کے ایک پیر بھائی تھے؛ مگر وہ مثل مرید تھے، شیر خان ان کا نام تھا۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا، تو وہ چپ تھے۔ لوگ ان سے کلمہ پڑھواتے تھے اور وہ پڑھتے نہیں تھے۔

لوگوں کو وحشت ہوئی کہ ایسے ذاکر و شاعل آدمی اور ایسی حالت میں دنیا سے جا رہے ہیں! حضرت میانجی صاحب کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ حضرت ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیسے ہو؟ فرمایا کہ بہت اچھا ہوں؛ مگر ان لوگوں کو منع کر دیجیے کہ مجھ کو پریشان نہ کریں۔ یہ لوگ مجھ کو مسیٰ سے اسم کی طرف لاتے ہیں، میں غافل نہیں ہوں۔

حضرت میانجی نے لوگوں سے کہا کہ بھائی! ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ بڑے مقام پر ہیں، تم کو اس کی کیا خبر ہے۔ (۲)

اختتام اور دعائے خاتمہ بالآخر

یہاں پر اس رسالے کا اختتام کرتا ہوں اور اس سے استفادہ کرنے والے حضرات سے بڑی لجاجت کے ساتھ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ ناکارہ، گنہگار حقیر و فقیر پر از تقصیر کی جملہ تقصیرات اور گناہوں کو معاف فرمائے اور مجھے اپنی رضائے کامل سے مالا مال و متمتع فرمائے اور یہ کہ مجھے خاتمہ بالآخر نصیب ہو اور

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي: ۱۱۴/۵۲

(۲) خطبات حکیم الامت: ۲۶/۲۳۳

دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچائے اور جنت عطا کرے اور دوزخ سے بچائے۔
 اے اللہ! اے رحمن! اے کریم! اے داتا! اے سب کو نوازنے والے! اے
 معاف کرنے والے! اے اپنے بندوں پر رحم و کرم کرنے والے! مجھ پر رحم و کرم فرمادیجیے،
 میرے گناہوں کو معاف فرمادیجیے، اے پروردگارِ عالم! مجھے اعتراف ہے کہ میں بڑا مجرم
 و گنہگار ہوں؛ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت بخشنے والے ہیں اور آپ
 کی رحمت کا سمندر سارے ہی مجرموں اور گنہگاروں کے گناہوں کو دھو دیتا ہے اور آپ کے
 دریائے رحمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اے اللہ! مجھے دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچالیجیے،
 ایمان پر خاتمہ عطا فرمائیے، سوئے خاتمے سے بچالیجیے، شیطان کی اور نفس کی مکاریوں اور
 فریب دہیوں سے محفوظ فرمادیجیے۔ آمین یا رب العالمین۔





MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND

Minara Market, Near Masjid-e-Rasheed, DEOBAND - 247554

Mobile: + 91-9634830797 / + 91- 8193959470

MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE

84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile : +91-903670151

E-Mail: maktabahmaseehulummat@gmail.com